کئے گئے ہین، اس کے بعد چوتھا رسالہ "اسلامی تہذیب" کے نام سے ہے، جس مین اسلامی عقائد و اخلاق و آداب، سوال و جواب کے طرز مین لکھے گئے ہین، یہ رسائل مکتبون مین پڑھائے جانے کے قابل ہین،

تعلیم خانہ داری، بچون کی اتالیقی، گھروالی کی تربیت، از جناب حافظ سید عزیز حسن صاحب بقائی اڈیٹر رسالہ مستورات ازہر جامع مسجد دہلی حجم بہ ترتیب ۱۸۷، ۹۵، ۷۰ صفحے، قیمت:- عہ، ۸ر، ۸ر

یہ تینون معاشرتی اصلاحی رسالے ہین، "تعلیم خانہ داری" گھر کی شریف بہو بیٹیون کو خانہ داری کی ضروری تعلیم دینے کے لئے لکھا گیا ہے، جس مین گھر کی چھوٹی بڑی ضروریات گنائی گئی ہین، پھر کھانا پکانے، سینے پرونے، بیل بوٹے بنانے اور لکھنے پڑھنے غرض ایک خوش سلیقہ شریف لڑکی کے لئے جن معلومات کی ضرورت ہوتی ہے، ان سب کو مستقل عنوانون سے لکھا گیا ہے، اور یہ اس لحاظ سے ایک کارآمد رسالہ ہے، پھر دوسرے رسالہ مین فسانہ کے طرز مین بچون کے مدرسہ کی زندگی، اور ضروری تعلیمی معلومات درج کئے گئے ہیں، اور تیسرے رسالہ مین بھی فسانہ ہی کے طور پر لڑکیون کو اہلی زندگی گذارنے کے طریقے بتائے گئے ہین،

مرزا قادیانی، از جناب عبد الغفور صاحب عابدی حیدر آباد دکن حجم ۱۶ صفحے، قیمت ار

اس مین مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے عقائد کی تردید کرکے دکھایا گیا ہے کہ وہ نہ نبی و مہدی ہو سکتے ہین، اور نہ مسیح ثانی و مجدد کہے جانے کے مستحق ہین،

وٹامائنس، از جناب لفٹنٹ کرنل محمد اشرف الحق صاحب قلعہ گولکنڈہ حیدر آباد دکن، صفحے ۳۰ قیمت ۴ر

اس مین وٹامن (جوہر حیات) کی حقیقت، اس کے اقسام اور خواص اختصار کیساتھ بیان کئے گئے ہین،

خوشہ پروین، مرتبہ جناب سید کاظم مدیر کہکشان نمبر ۲۲۵۳ گلی تارا، دہلی، حجم ۲۲ صفحے، تقطیع جیبی، قیمت ۴ر

اس مین جناب فضل الدین فدا، دیناگری کے سو شعر چھاپے گئے ہین،

"س"

جلد ۳۷ ماہ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۶ء عدد ۶

مضامین

شذرات

"ڈاکٹر انصاری مرحوم"

۹ مئی سنہ ۱۹۳۶ء کی شام کو سات بجے کے قریب مین ڈیرہ دون کی ایک سڑک سے گذر رہا تھا کہ پیچھے سے ایک موٹر تیزی سے آئی اور نکل گئی، مین نے دیکھا کہ اُس پر ڈاکٹر انصاری بیٹھے ہین، سر کھلا تھا اور چہرہ پر بیحد تکان، رات گذر گئی اور صبح کو ان کے قیامگاہ کی تلاش ہوئی، معلوم ہوا کہ وہ رات ہی دلی چل دیئے، لیکن جب شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ رات دلی نہین گئے، راستہ سے سیدھے جنت کو سدھارے، دل دھڑکا، آنکھین پرنم ہوئین، اور سینہ سے آہ کا ایک شعلہ اٹھا جس نے صبر وتمکین کی متاع کو جلا کر خاکستر کر دیا،

ڈاکٹر مختار احمد انصاری گو نسب و وطن کے لحاظ سے ضلع غازیپور کے ایک ممتاز قصبہ یوسف پور کے ایک نہایت شریف خاندان سے تھے، مگر درحقیقت ان کا تعلق پورے ہندوستان سے تھا، اس یوسف کا کنعان، وہ محدود مقام نہ تھا جس کو یوسف پور کہتے ہین، بلکہ پورا ہندوستان تھا، اسی لئے آج پورے ہندوستان نے ان کی موت پر ماتم کیا، کیا مسلمان، کیا ہندو، کیا سکھ، کیا عیسائی، سب نے یہی جانا کہ آج انکا حقیقی محب اس دنیا سے چل بسا،

مین نے ڈاکٹر انصاری کو سب سے پہلے سنہ ۱۹۱۲ء مین اس وقت دیکھا جب وہ بلقان کی جنگ مین طبی وفد لیکر ترکی جا رہے تھے، اور اس تقریب سے لکھنؤ اسٹیشن سے گذر رہے تھے، مولانا شبلی اور بہت سے لوگ لکھنؤ اسٹیشن پر ڈاکٹر صاحب کو الوداع کہنے گئے تھے، اس وقت ڈاکٹر صاحب کی عمر تیس بتیس کی تھی، کھلتا رنگ، دبلا پتلا چھریرا بدن، کشیدہ قامت، ہنستا چہرہ، انوری یا قیصری مونچھین، جسم پر چست خاکی وردی، ڈاکٹر صاحب کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھولے کھڑے تھے، گاڑی نے جیسے ہی سیٹی دی، لوگوں کی آنکھین بھر آئین اور مولانا شبلی مرحوم نے اسی جوش مین جھک کر ڈاکٹر صاحب کے بوٹ کو بوسہ دیا، اور رخصت کیا، وہ بھی عجیب منظر تھا،

ڈاکٹر صاحب کا سب سے پہلا شجاعانہ اسلامی کارنامہ سنہ ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ دہلی کے صدر کی حیثیت سے

وہ یادگار خطبہ ہے جس مین سب سے پہلے خلافت اور مقاماتِ مقدسہ کی نسبت مسلمانوں کے جذبات کا بےخوفی سے اظہار کیا گیا، اور مذہبی کتابوں کے حوالہ سے مسلمانوں کے دعووں کے دلائل پیش کئے گئے تھے، اسکے بعد تو انکا یہ جنون بڑھتا ہی رہا، اور خلافت کانگریس اور ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں میں انھوں نے وہ کچھ کیا، جو ہندوستان کے کسی مسلمان نے نہیں کیا،

وہ ہندو مسلم اتحاد کے مناد، عالم اسلامی کے سفیر، اور آزادی وطن کے مبلغ تھے، وہ جلسوں میں بہت کم بولتے تھے، مگر جب بولتے تھے تو وہ کہتے تھے جس کی صداقت دلون میں گھر کر جاتی تھی، صداقت اور شرافت ان کا خمیر تھا، صداقت کی خاطر ان کو کبھی کبھی اپنے عزیز ترین دوستون کا ساتھ چھوڑنا پڑتا تھا، اور شرافت کے سبب سے ان دوستون کے غیظ وغضب اور جفا کوشی کو پوری متانت اور سنجیدگی کے ساتھ برداشت کرتے تھے، اس کے کتنے مناظر خود میری آنکھوں کے سامنے گذرے ہین،

ان کا گھر مہمانوں کے لئے، ان کی جان دوستون کے لئے اور انکا مال ضرورتمندوں کے لئے وقف تھا، ناواقف ان کو دولتمند سمجھتے تھے، مگر جاننے والوں کو معلوم ہے کہ کبھی کبھی ان پر ایسے دن بھی گذرے کہ قرض لے لیکر مہمانداری کا فرض انجام دیا جاتا تھا، اور اس حالت میں بھی قومی جلسوں کا پورا بار اپنے کندھوں پر اٹھائے اور سیکڑون اپنے جاننے والوں اور نہ جاننے والوں کو اپنا مہمان بنائے ہوئے تھے،

وہ فیاضی کا مجسمہ، لطف ومحبت کا دیوتا، اور حسن اخلاق کا فرشتہ تھے، متانت اور سنجیدگی انکی طینت اور غور وفکر ان کی عادت تھی، وہ وطن کے خدمتگار، انسانیت کے غمخوار، اور اسلام کے پرستار تھے، وہ دنیا میں اتحاد اسلامی کے پیغامبر اور ملک مین ہندو مسلم اتحاد کے مبلغ تھے، انکی پالیٹکس کے سولہ برسون مین طوفان سیاست کے سیکڑون جھونکے اٹھے، اور سیاسی انقلاب خیال کے بیسیوں حادثے پیش آئے، مگر صداقت اور استقامت کا یہ پہاڑ جون کا تون اپنی جگہ پر جما رہا،

نہرو رپورٹ کے سلسلہ میں وہ وقت آیا جب اپنوں نے ان کو غیر بنایا، آشناؤں نے بیگانہ سمجھا اور دوستوں نے دشمن قرار دیا، بلکہ کلکتہ خلافت اور آل پارٹیز کانفرنس میں وہ وقت بھی آیا جب انکے اپنے دست وبازو نے انکو دھکے دیئے، اور مسلمانوں نے ان پر حملہ کی نیت کی، تاہم یہ شرافت ومتانت کا مجسمہ خاموش رہا، اور

اپنوں کی بدسلوکی کے ذکر اور دوستوں کی جائز شکایت سے کبھی اپنے لب کو آلودہ نہیں کیا،

اب زمین کا یہ فرشتہ ہمارے شور و شر کی سرزمین سے بہت دور امن و راحت کے آسمان پر چلا گیا، اس کا خاکی جسم دلی کے ایک کھنڈر میں ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا ہے اب زمانہ کے حوادث اسکو رنجیدہ، عالم اسلامی کی زبون حالی اسکو آزردہ، اور وطن کی غلامی اسکو افسردہ نہیں بنا سکیگی، اس کا تن خاکی اب ایک تھکے ہوے مسافر کی طرح زمین کے بچھونے پر ابدی نیند سو رہا ہے اور اسکی روح ہماری مدح و ستایش سے بے پروا، اور ہمارے نوحہ و ماتم سے بے خبر اپنے نیک اعمال کا محضر لئے خدا کے سامنے ہے، امید ہے کہ مغفرت کا نورانی خلعت اسکے جسم پر اور رضوان کا تاج اسکے سر پر ہوگا،

آہ! کیسا دلدوز منظر ہے، وہ حاذق جس سے دردِ دل کے ہزارون مریضون کو شفا ہوئی جس نے اپنے تیس برس کے معالجہ میں ہزاروں کو موت کے خطرہ سے بچایا ہوگا، وہ ایک ریلوے سفر میں، گاڑی کے ایک ڈبہ میں، ڈبہ کے ایک تختہ پر موت کے پنجہ کو آہستہ آہستہ اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھتا ہے، اور اس بیکسی و بے بسی کے عالم مین اپنے کو مجبور پاتا ہے، اور چالیس منٹ کے اندر ستاون برس کی عمر مین اسکی ہستی کا چراغ گل ہو جاتا ہے،

دہلی کے اسٹیشن نے بیسیوں دفعہ اسکے جلوس و استقبال کا رنگین منظر اپنی آنکھون سے دیکھا ہوگا، ۱۰ رمئی ۱۹۳۶ء کی صبح کو اسی اسٹیشن نے اس کی بے روح لاش کو گاڑی سے اترتے دیکھا، استقبال کرنے والوں کا ہجوم اب بھی تھا، مگر چہروں پر مسکراہٹ کے بجائے رنج و غم، آنکھوں مین تبسم کے نور کی جگہ، آنسوون کے قطرے، دل مین خوشی اور مسرت کے اطمینان کے بدلہ غم و الم کا اضطراب،

طرابلس اور بلقان کے ہنگاموں نے ہمارے چند جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دفعۃً سوتے سے بیدار کر دیا تھا، محمد علی مرحوم اس قافلہ کے رہبر اور ڈاکٹر انصاری اس قافلہ کے سب سے پر جوش رہرو تھے، افسوس کہ ان دونوں دردمندوں نے دل ہی کے آزار میں وفات پائی، دل کا درد مجاز بنکر نمودار ہوا، اور ان کی قومی زندگی کا باعث ہوا، اور وہی حقیقت بنکر ان کی موت کا سبب ہوا، محمد علی مرحوم نے پہلے داغ مفارقت دیا، اور اب

داغ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

مقالات

"عربون کی جہازرانی"

پر

استدراک

از جناب ڈاکٹر مولینا حمید اللہ صاحب ایم اے پی ایچ ڈی استاذ فقہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

(۲)

عرب میں بندرگاہ، عربی بندرگاہون کا ذکر خاصی تفصیل سے (معارف ص ۲۰، تا ۲۱) کیا گیا ہے، اس سلسلے میں عمان کے مشہور بندرگاہ دبا کے متعلق چند جدید معلومات بے محل نہ ہون گے، اسی طرح بحرین کے بندرگاہ مشقر اور یمن کے بندرگاہ عدن وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے:-

ا:- .... ثم سوق دبا وهي احدى	پھر بازار دبا ہے، اور وہ عرب کا ایک
فرضتي (فُرضَ) العرب يأتيها	بندرگاہ ہے، جہین سندھ ہند چین کے تاجر
تجار السند والهند والصين	اور مشرق اور مغرب کے لوگ آتے ہیں،
واهل المشرق والمغرب فيقوم	اور یہ بازار رجب کے آخر دن میں لگتا
سوقها آخر يوم من رجب وكان	ہے، اور ان کی بیع اس بازار میں مساومہ
بيعهم فيها المساومة وكان	ہوتی ہے، اور جلندی بن مستکبر ان سے ان
الجلندي بن المستكبر يعشرهم	میں اور بازار صحار میں عشر لیتا ہے،

فیها وفی سوق صحار و یفعل فی ذلك فعل الملوك بغیرها۔"

اور اس معاملے میں وہی طریقہ اختیار کرتا ہے، جو بادشاہ لوگ اور بازارون مین اختیار کرتے ہیں

(کتاب المحبّر لمحمد بن حبیب المتوفی ۲۴۵ھ مخطوطہ برٹش میوزیم ورق ۹۵)

"...ثم یرتحلون بها الی دبا وکانت احد فرض العرب یجتمع بها تجار الهند والسند والصین واهل المشرق والمغرب..... فیشترون بها بیوع العرب الهجر....." (کتاب الازمنه والامکنه للمرزوقی باب ۴۰)

پھر اوسکو لیکر وہ دبا کو جاتے ہین، جو عرب کا ایک بندرگاہ تھا، جہان ہند، سند اور چین کے تاجر اور مشرق و مغرب کے لوگ جمع ہوتے تھے، اور وہاں عرب اور ہجر کی طرح خریداری کرتے تھے،

۲-..... ثم یرتحلون منها الی المشقّر بهجر فتقوم سوقها اول یوم من جمادی الآخرة الی آخر الشهر فتوافی بها فارس یقطعون البحر الیها ببیاعاتهم..." (کتاب المحبّر ورق ۹۴-۹۵)

پھر اس سے مشقّر کا سفر کرتے تھے، جو بحرین سے یہ بازار جمادی الآخرہ کے پہلے دن سے آخری مہینے تک لگا رہتا تھا، اور ایرانی لوگ اپنا سرمایہ تجارت لیکر وہاں بحری سفر کرکے آتے تھے،

۳-..... ثم یسیرون بجمیع

پھر وہان خشکی اور تری کے جو تاجر ہوتے

من فیها من تجار البر والبحر الی الشحر - شحر مهرة - فیقوم سوقهم..... ثم یرتحلون منها الی عدن الا تجار البحر فانه لا یرتحل منهم الا من بقی من بیعه شیئ ولم یبعه فیوافی الناس بعدن من بقی معه من تجار البحر شیئ ومن لم یکن شهد الاسواق التی کانت قبلها ..... وعان طیب (الطیب ؟) الخلق..... ولم یکن احد یحسن صنعه من غیر العرب حتی ان تجار البحر لترجع بالطیب المعمول، تفخر به فی السند والهند وترحل به تجار البر الی فارس والروم..." (المرزوقی باب ۴۰)

تھے، ان کو لے کر شحر یعنی شحر مہرہ تک جاتے ہین، اور وہان ان کا بازار لگتا ہے، پھر وہان سے عدن کو جاتے ہین، البتہ بحری تاجرون مین صرف وہی لوگ وہان سے عدن کا سفر کرتے ہین جنکا سودا کچھ بکنے سے رہ گیا ہے، اور اس نے اس کو نہین بیچا ہے، تو عدن مین لوگون کے پاس وہی بحری تاجر آتا ہے جسکے ساتھ کچھ مال رہگیا ہو، اور وہ لوگ بھی عدن میں آتے ہیں، جو اس سے پہلے کے بازارون میں نہیں گئے تھے اور ..... اہل عرب کے سوا کوئی دوسرا اسکو عمدہ نہیں بنا سکتا تھا، یہان تک کہ بحری تاجر اس مصنوعی خوشبو کو لے کر واپس ہوتے ہین، تو سند اور ہند میں اس پر فخر کرتے ہین، اور خشکی کے تاجر اسکو لیکر ایران اور روم مین جاتے ہین،

أبنائے عمان یا باب المندب؟ "اسی کے پاس عمان کی دریائی پہاڑیان ہیں، اور وہ جگہ ہے، جس کو دردوَر کہتے ہین، یہ دو پہاڑون کے بیچ تنگ دریائی راستہ ہے، (باب المندب ؟)" (المحبّر ص ۷،) یہان غالبًا سہو قلم سے بجائے "أبنائے عمان" کے "أبنائے باب المندب" لکھدیا گیا ہے، باب المندب بحر قلزم کے دہانے

پر ہے، یہاں خلیج فارس کا ذکر ہے،

چین ہم نے اوپر کی سطروں میں حدود ملک چین تک کے راستے بتائے ہیں؛ (عکس ص ۹) اس سلسلے میں وہ مشہور مقولہ بیان کیا جا سکتا ہے، جو آنحضرت صلعم سے منسوب کیا جا رہا ہے کہ اطلبوا العلم ولو کان بالصین، اگرچہ یہ حدیث ابن عبد البر نے علم پر اپنی مشہور کتاب میں حضرت انس رض کی روایت سے درج کی ہے، بیہقی نے شعب الایمان میں، ابن عدی نے الکامل میں اور العقیلی نے الضعفاء میں لیکن ماہرین نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے، شاید اس قیاس کو زیادہ دور از کار نہیں قرار دیا جائیگا کہ یہ حدیث اس زمانے کی پیداوار ہے، جب عربوں کے تجارتی تعلقات چین سے بہت مستحکم ہو گئے تھے، اور وہاں کے بگپور (فغفور یا بغبور، باگ کے معنی تاتاری اور جدید روسی زبان میں خدا کے ہیں، پور بیٹے کو کہتے ہیں، چینی اپنے بادشاہ کو "آسمان کا بیٹا" سے ملقب کرتے رہے ہیں،) کے اسلام لانے کا امکان نظر آرہا تھا، اس وقت چینیوں کی تالیف قلبی کی ضرورت تھی،

تیسری صدی کا سفرنامہ یورپ، "ابن فضلان نے بغداد سے روس و بلغار تک اپنا سفرنامہ مرتب کیا تھا، جس کا مختصر خلاصہ یاقوت نے اپنی معجم البلدان میں شامل کیا ہے" (عکس ص ۱۱۵) اہل علم میں سے ہر ایک کو یہ سنکر خوشی اور چند کو تازہ خبر معلوم ہو گی، کہ مقتدر باللہ عباسی کے (جو تیسری صدی کے اواخر میں خلیفہ ہوا) سفیر ابن فضلان کا کھویا ہوا سفرنامہ مل گیا ہے، اور ایران سے اس کے ایک مکمل نسخہ کی عکسی نقل (فوٹو) برلین کے سرکاری کتبخانے میں آچکی ہے، اور اب لسے روسی اور دیگر زبانیں جاننے والے چند جرمن مستشرقین اشاعت کیلئے تیار کر رہے ہیں، اور غالباً ترجمہ بھی تفصیلی تعلیقات اور جدید ترین معلومات کے تقابلی مطالعے کیساتھ شائع ہو گا،

جاپان، "اہل عرب ... جاپان کو جزائر واق واق کہتے ہیں": (عکس ص ۱۲۹) عرصہ ہوا عجائب الہند کے فرانسیسی ضمیمے میں پروفیسر دخویے نے یہ دلچسپ نظریہ پیش کیا تھا، لیکن ابھی دو سال ہوئے پاریس کے ہالینڈ

ژورنال آزیاتیک میں پروفیسر فران (Ferrand) جن کا چند ماہ قبل انتقال ہو گیا ہے) نے اس بارے میں نئے سرے تحقیقات کی ہے، اور عربی کے علاوہ چینی اور دیگر ماخذوں سے کثیر مواد فراہم کیا ہے، جس کا خلاصہ بھی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں (عنوان "واق واق" کے تحت) شائع ہوا ہے، اس تفصیلی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سے مراد جاپان نہیں بلکہ بورنیو ہے،

ابن جبیر، عربی سیاحوں کے سلسلے میں ابن جبیر کا سفرنامۂ حج بھی قابل ذکر ہے، یہ سلطان صلاح الدین کا معصر ہے اور اس نے اسپین سے مصر وغیرہ تک جہاز پر سفر کیا تھا، ابن جبیر نے جس دقت نظر سے حالات سفر بیان کئے ہیں، اور اثنائے راہ میں آتش فشاں پہاڑوں، بندرگاہوں وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اس سے بہت کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں، خاص کر بحری سفر میں مسافر کے تجربے بہت دلچسپ ہیں،

بحری نقشے، سامان و آلات جہازرانی کے سلسلے میں بحری نقشوں کا ذکر (عکس ص ۱۳۰ تا ۱۴۱) کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں ایک حالیہ تحقیق کا ذکر کیا جا سکتا ہے، کولمبس نے امریکہ کا ایک نقشہ تیار کیا تھا جو ناپید ہے، مشہور ترکی ماہر بحریات پیری رئیس اس کا تقریباً ہمعصر تھا، ترکی میں ان دنوں سلیمان اعظم جیسے اولوالعزموں کا دور تھا، جو دنیا کو فتح کرنے کے منصوبے رکھتے تھے،[۱] ایسے زمانے میں سرکاری افسروں کے معلومات بھی عصری (اَپ ٹو ڈیٹ) ہوا کرتے تھے، چنانچہ پیری رئیس نے کولمبس کا نقشۂ امریکہ کسی طرح حاصل کیا، اور اپنے نقشۂ عالم میں شامل کر کے شائع کیا، یہ نقشہ کتبخانہ

---

[۱] اس کا سفیر چین گیا تھا، تاکہ وہاں کی فوجی قوت وغیرہ کا اندازہ لگائے، سفر کی رپورٹ جو خطائی نامہ کے نام سے فارسی میں لکھی گئی تھی، اور جس کا بعد میں ایک ناقص ترجمہ بھی ہوا ہے، چین کے متعلق معلومات کی انسائیکلوپیڈیا ہے، اس کا جرمن ترجمہ مجھ سے کرایا گیا تھا، جو اب چینی ماخذوں کے حواشی کے اضافے کیساتھ مع اصل فارسی متن قریب میں شائع ہو گا یہ کام جرمن مجلس شرقیات کے معتمد اور اسکے رسالے کے اوڈیٹر ڈاکٹر کالے انجام دے رہے ہیں:

توپ قپو سرائے (استانبول) میں ملا، اور کوئی تین سال ہوئے کہ اس کو بون یونیورسٹی کے صدر کلیۂ شرقیات اور جرمن مجلس شرقیات کے معتمد ڈاکٹر پاول کالے (P. Kahle) نے ایک طویل مقدمے کیساتھ شائع کیا ہے، ایک ضخیم تر کتاب اسی موضوع پر انگریزی میں بھی پروفیسر کالے نے لکھی ہے، جو امریکہ کی کسی یونیورسٹی کی جانب سے شائع ہو گئی ہے، یا ہونے والی ہے،

| لائٹ ہاوز |

لائٹ ہاوز (عکجرص ۱۴۱) کے سلسلے میں بھی پروفیسر کالے کی ایک کتاب کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جس میں اسکندریہ کے مشہور منارے کے متعلق جملہ مل سکنے والے عربی و دیگر معلومات مع تصاویر شائع ہوئے ہیں،

| صُوَر الکواکب، |

صُوَر الکواکب (عکجرص ۱۴۴) پر ایک نہایت قدیم رسالہ کتاب الازمنہ، لیوحنا بن ماسویہ المتطبب المُعلّم الفلکی ۱۹۳۳ء میں مصر میں شائع ہوا ہے[1]، اس میں سال کے بارہ مہینوں کی فلکی کیفیت تفصیل کر دی گئی ہے،

| قطب نما، |

قطب نما پر جسے جہت نما یا سمت نما کہنا شاید زیادہ موزون ہو، عربوں کے متعلق بہت دلچسپ مواد یکجا کیا گیا ہے، (عکجرص ۱۴۸ تا ۱۶۲) مگر یہ چیز اس سے بہت زیادہ پرانی ہے، حال میں چند ماہ قبل حیدرآباد کے ضلع رائچور میں مسکی نامی مقام پر اثری کھدائی کے سلسلے میں زمانہ ماقبل تاریخ کے عہد حجری کی جو چیزیں دریافت اور دستیاب ہوئی ہیں، ان میں تین عدد جہت نما بھی صحیح و سالم حالت میں ملے ہیں، ان پر سولہ جہتوں کے نشان اور ذیلی جہتوں کی علامتیں صاف طور سے نمایاں ہیں، کسی دل جلے نے کہا ہے کہ اس چرخ کہن کے نیچے خود ہمارے اپنے سوائے کوئی چیز نئی نہیں،

| ایرانی ملک یمن میں، |

ایرانیوں کی تجارتی اور دیگر ماورا البحر نو آبادیوں کا ایک سرسری ذکر (عکجرص ۱۰۱ تا ۱۰۴) اشارۃً کر دیا گیا ہے، پارسیوں نے آنحضرت صلعم کی ولادت کے بعد بحری حملہ کر کے یمن پر قبضہ کر لیا تھا،

[1] Bulletin de l'Institut de l'Egypte XV 1933, p 235-256

وہ ہر زنپہ سالار و گورنر کے ساتھ آئے ہوئے یہ لوگ ابنا، کہلاتے تھے، یہ لوگ عہد نبوی میں مسلمان ہو گئے اور کشوری عہدوں پر سرفراز کئے گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے زمانے میں ردت کے موقع پر یمن کے عربوں میں "قومیت" کے جو جذبات پیدا ہوئے تھے، وہ آج چودھویں صدی ہجری میں ترکی، مصر، ایران، وعراق وغیرہ کے حالات کو دیکھ کر اپنی حیرت انگیز قدامت دکھاتے ہیں:-

"..... ولما سمع بذلک قیس ارسل
الی ذی الکلاع واصحابہ اِنَّ
الابناء نُزّاع فی بلادکم ونقلاءُ
فیکم وان تترکوھم لن یزالوا
علیکم وقد اری من الرای
ان اقتل رؤسھم واخرجھم من
بلادنا فتبرّء وا فلم یمالئوہ ف
لم ینصروا الابناء واعتزلوا"
(تاریخ طبری ص ۱۹۹۰)

جب قیس نے اس کو سنا، تو ذی الکلاع اور اس کے ساتھیوں کو پیغام دیا کہ ابناء تمہارے ملک میں اجنبی ہیں، اور دوسری جگہ سے منتقل ہو کر آئے ہیں، اگر تم لوگ ان کو چھوڑ دوگے، تو تم پر حملہ کر دیں گے، میری رائے تو یہ ہے کہ ان کے سرداروں کو قتل کر دوں اور اپنے ملک سے ان کو نکالدوں، تو یہ لوگ الگ ہو گئے، اور اُن کی موافقت نہیں کی اور ابناء کی مدد نہیں کی، اور

| ہندی امیر البحر، |

جہاز رانوں کا ذکر کرتے ہوئے (عکجرص ۱۰۱ تا ۱۰۴) عربوں کے ساتھ ترکوں وغیرہ تک کا ذکر دیا گیا ہے، اور محروم ہے تو غریب ہندوستان، ملیبار میں پرتگالی حملوں کے زمانے میں کالیکٹ پر سامری (Zamorin) لقب کے راجے حکمران تھے، ان کی بری فوج میں مسلمانوں کی کافی تعداد تھی، لیکن ان کا بحریہ معلوم ہوتا ہے، کہ خالص اسلامی تھا، زین الدین المعبری کی تحفۃ المجاہدین فی بعض اخبار البرتکالیین اور مسٹر پانکار کی حالیہ کتاب Malabar and The Portuguese میں اس بات کا کافی مواد ملتا ہے، کہ کنج علی مرکار کا خاندان موروثی طور پر راجا سامری کا امیر البحر

تھا، چونکہ ملیباری مسلمان تاجر رہے ہین، اور مذہبیت کے باعث ہر سال ان کے بہت سے لوگ حج کو جایا کرتے تھے، اسی لئے ان میں جہاز رانی بڑی ترقی کرگئی تھی، کنج علی مرکار کا خاندان اب بھی غالباً شہر نیانی (ملیبار) میں آباد ہے، اگر اس خاندان کا کوئی رکن یا کوئی اور صاحبِ ہمت و معلومات اس امیر البحر خاندان کی تاریخ مرتب کرے، تو نہ صرف دکن یا ہند بلکہ مسلمانون کے لئے باعثِ نازش ہوگا، کہ کس طرح مٹھی بھر آدمیون اور گنتی کی کشتیون سے ان مجاہدون نے سمندرون اور مشرق کے مالک پرتگال کا نسلون تک سمندر میں ناک میں دم کر رکھا تھا،

ہندستان کی تاریخ ترکی ماخذون سے،

اسی طرح ایک بعد کے زمانے میں بعض مسلمان ملیباری ریاستون کے حکمرانون نے سلطان ترکی کو جہاز پر دو ہاتھی بھیجے (جن میں سے ایک راہ میں مرگیا) اور ایک قصیدۂ عربی مین لکھا کر یورپی عیسائیون کے مظالم کے خلاف مدد کی التجا کی تھی، ایک ترکی مورخ ان حالات کے سلسلے میں لکھتا ہے، کہ قصیدہ کی عربی میں بہت سی غلطیان تھین، اور وزن وغیرہ بھی درست نہ تھا، سفارت چند روز انتظار کرکے ناکام واپس ہوئی،

ہندوستان کے بہت سے واقعات ترکی تاریخون اور سفرنامون میں ملتے ہین، خاصکر مغلیہ عہد اور اسکے بعد کے زمانون کے متعلق ممکن ہے کہ کبھی ان سے ملک کو روشناس کرانے کی فرصت ملے،

عربون کے بحری تصانیف،

"عربون کی بحری تصنیفات" (عکس ص ۱۰۲) پر گو میں سرہنگ زادہ کی مذکورہ بالا کتاب کے سوا کسی اضافے کے قابل نہین ہون لیکن کسقدر افسوس ہوتا ہے، کہ ابن ماجد وغیرہ کی پاریس سے شائع شدہ کتابون کے فرانسیسی دیباچے سے ابتک فائدہ نہیں اٹھایا جاسکا ہے، علی گڈھ کے ایک سابق پروفیسر صاحب نے ایک مرتبہ اس کے کسی باب (جو شاید انگریزی میں تھا) کا معارف میں ترجمہ شروع کیا تھا، ہندوستان میں بفضلِ خدا اب کافی تعداد فرانسیسی دانون کی پیدا ہوگئی ہے، خود جامعۂ عثمانیہ مین کم از کم نصف درجن اساتذہ (جن مین دو پاریس کے ڈاکٹر ہین) سید صاحب کو مدد دے سکتے ہین اا ایسی

علمی چیزون میں کوئی ایسی بات نہیں چھوڑ دینی چاہئے، جو ذرا کاوش پر قابلِ عمل ہوجاتی،

سندباد بحری، الف لیلہ اور ہومر کی نظم،

نہ معلوم اہلِ علم میری اس رائے پر کیا کہین گے، کہ الف لیلہ سے بھی مواد حاصل کرنا چاہئے تھا، علاوہ متعدد "بحریت آمیز" قصون کے اس میں سندباد بحری کے سفر قابلِ ذکر ہین، یہ افسانے یقیناً اسی زمانے کی پیداوار ہین جب عربی جہاز رانی اَوجِ عروج پر تھی، بحری سیاحون اور ملاحون کی کہانیان غالباً تیسری صدی ہجری میں اتنی زیادہ ہوگئی تھین، کہ ان سے سندباد کے سات بحری سفرون کے لئے کافی مواد فراہم ہوسکتا تھا،

سندباد کے سلسلے میں ایک زیادہ اہم مسئلے پر کچھ کہنا ہے، جرمنی اور فرانس کے اساتذہ سے بھی میری اس بارے میں گفتگو رہی ہے، اور وہ میرے دلائل کو "کافی وزندار اور قابلِ غور" قرار دیتے رہے ہیں، وہ یہ کہ عام طور سے کہا جاتا ہے کہ مسلمان عربون نے یونان سے علوم وفنون تو لئے لیکن ادب و شعر کو اپنی زبان مین ترجمہ کرکے منتقل نہیں کیا، اس سلسلے میں ایک بڑا ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ہومر کی نظمون کا ترجمہ ابھی اسی صدی میں ہوا، اس سے پہلے کبھی نہین ہوا، لیکن سندباد کے قصون کو یولیسیس کے واپسی وطن کے بحری اور مہمات بھرے سفر کیساتھ ملاکر جو شخص پڑھتا ہے، وہ انکی یکسانی سے متاثر اور حیرت زدہ ہوئے بغیر نہین رہ سکتا، ناظرین سندباد کے تیسرے سفر کے اس قصے سے خالی الذہن نہ ہون گے، کہ سندباد مع اپنے ہمراہیون کے ایک جزیرہ میں پہنچتا ہے، جہان ایک آنکھ والا دیو رہتا تھا، اس نے ان کو اپنے رہنے کے مقام پر بند کر دیا، اور روزانہ دو ایک آدمیون کو آگ پر بھون کر کھانے لگا، آخر سندباد نے اپنے ساتھیون کی مدد سے ایک دن رات کو سوتے میں دہکتی ہوئی سلاخ سے اس دیو کو اندھا کر دیا، اور سب بھاگ نکلے، اس قصے کیساتھ یولیسیس کا واقعہ جو ہومر نے لکھا ہے، کسے یاد نہ آئیگا، جو ایک آنکھ والے سائکلوپ پولی فیم کیساتھ پیش آیا، اور جو جزئی تفصیلات میں بھی بالکل اس سندبادی قصے سے مشابہ ہے، بحری سفر، مصیبتیں اور انجام میں ہیرو کی کامیابی، یہ یولیسیس کی مہمون اور سندباد کے سفرون دونون میں مشترک ہین،

اس سے سوائے اسکے کیا نتیجہ نکالا جاسکتا ہو کہ ہومر کی نظم پوری طرح یا کم از کم اسکے بہت سے قصے عربون مین اتنے معروف اور زبان زد ہوگئے تھے، کہ لوگ ان کو اب اجنبی نہیں خیال کرتے تھے، ابن ندیم (الفہرست ص ۳۰۵) کا بھی خیال ہے، کہ سندباد اجنبی اور غالباً ہندی تالیف معلوم ہوتی ہے، لیکن جیسا کہ ابھی عرض ہوا اسے ہندی کی جگہ یونانی سے ماخوذ قرار دینا صحیح تر معلوم ہوتا ہے،

یہ چند ناچیز ملاحظات ہین، جو مولفِ فاضل کے غور کے لئے پیش کئے جاتے ہین،

مختصر تاریخ ہند

ہمارے اسکولون میں ہندوستان کی جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہین، ان کا لب ولہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اور اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قومون میں تعصب اور بغض وعناد پیدا ہوجاتا ہے، مولانا ابوظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسون اور طالب علمون کیلئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرزبیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو، ہندو اور مسلمان فرمانروان نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے ہین، وہ طالب علمون کو بلا تفریق مذہب وملت معلوم ہوجائین، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت :- ۱۲ر

تاریخ صقلیہ جلد دوم

مرتبہ سید ریاست علی ندوی

اس میں سسلی کے عہدِ اسلامی کے تمدنی جغرافیہ، نظامِ حکومت زراعت، صنعت وحرفت تعمیر وتجارت، تہذیب ومعاشرت اور علوم وفنون کا تفصیلی مرقع دکھا کر یورپ پر سسلی کے اسلامی تمدن کے اثرات دکھائے گئے ہین، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت :- للعہ ر

"منیجر"

دیوان شمس تبریز او مولینا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۶)

داخلی شہادت

خاموش کردم این زبان باکس نگویم این زمن شد شمس تبریزی عیان برمصحفِ دیوان ما

(دیوان شمس تبریز) (رومی)

داخلی شہادت، حتی الامکان ہم نے اپنے مدعا کے اثبات مین تاریخی شہادت اور خارجی شواہد پیش کردیے، خارجی شواہد میں بعض نہایت قوی اور ایقان آفرین دلائل ہاتھ آگئے، جس سے شک وشبہہ جاتا رہا، لیکن اس سے اہم اور واضح ترین شہادت وہ ہے، جو ہمیں دیوان ہی سے ملتی ہے، یہان مماثلت، اشتراک اور تقابل کی بحث نہین ہے، یہان خود مولینائے روم کی زبان سے اس سوال کا شافی جواب ملجاتا ہو، اور طالب حقیقت اس سے اطمینان کی آخری منزل پر پہنچ جاتا ہو،

اکثر فارسی شعرا کا قاعدہ ہے کہ غزل یا قصیدہ کے مقطع میں بالعموم اپنا تخلص لاتے ہین، جس سے پڑھنے والے کو اس کا علم ہوتا ہے، کہ یہ کلام کس کا نتیجہ فکر ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مقطع بالتخلص لکھا گیا ہو، لیکن مولانائے روم کی یہ عادت نہین، انھیں صرف فکر کلام ہی ہے، ناقص پابندی رسم عام بالکل نہین، مثنوی معنوی میں بھی شاذ ونادر ہی اپنا ذکر کرتے ہین، یا اپنا تخلص یا نام لاتے ہین،

دیوان شمس تبریز کے متعلق ایک غلط فہمی

دیوان میں بھی یہی حال ہے، ان کا اپنا تذکرہ یا اپنا تخلص ڈھونڈنے والے کو بھی مشکل سے ملتا ہے، لیکن ایک بات نہایت عجیب ہے وہ یہ کہ کم و بیش تقریباً ساری غزلیات کے مقطعوں میں شمس تبریز کا نام ملے گا، کہیں کہیں مقطعوں میں بھی ہے کہیں غزل کے درمیان شمس کی مدح اور ان کا نام آتا ہے، یہ وہ بات ہے جس کے باعث بادی النظر میں دیوان کا سرسری پڑھنے والا یا دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ شمس تبریز نور اللہ قبرہ کا دیوان ہے، حالانکہ یہ غلط ہے اور ادنیٰ توجہ سے دیوان پر نظر ڈالنے والا بھی کم سے کم اس نتیجہ پر تو پہنچ ہی جاتا ہے، کہ یہ شمس تبریزؒ کا کلام نہیں بلکہ ان کے کسی عاشق بیتاب اور مضطرب الحال مداح کا ہے، واقعہ کیا ہے، خود مولیناؒ ہی کی زبان نے اس کا جواب دیا ہے،

جز قصۂ شمس الحق تبریز نگوئید، ... از ماہ بپرسید کہ خورشید پرستیم

(دیوان شمس تبریز ص ۲۰۱)

قونیہ کے بدر کامل مولینا روم نے دیوان میں دراصل شمس تبریز کے اسرار اور انوار کا ذکر فرمایا ہے، حسب سابق یہی ہمارا دعویٰ ہے، اب ہم شرح و بسط کیساتھ دلائل پیش کریں گے،

مدح شمس تبریزؒ

یہ تو سب جانتے ہیں، کہ غزلیات میں حضرت شمس تبریز کا نام کثرت سے آتا ہے لیکن اس پر بہت کم غور کیا جاتا ہے، کہ یہ نام کس حیثیت سے آتا ہے،

حضرت شمس تبریز کا نام کم و بیش ہر ایک موقع پر ممدوح کی حیثیت سے آیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کلام کے مصنف شمس نہیں بلکہ کوئی مداح شمس ہیں،

اس پر لوگ اعتراض یہ کرتے ہیں کہ شاعر اپنی آپ توصیف کرتے ہیں وہ ایسی ہی تعریف ہوگی، جسکی بنا پر یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ کلام شمس تبریز کا نہیں بلکہ کسی دوسرے کا ہے،

یہ سچ ہے کہ بعض فارسی شعرا خصوصاً قصائد میں اور کسی قدر غزل میں اپنی لیاقت اور

اور اپنے علم و فضل پر شاعرانہ تعلی کرتے ہیں، یا شرافت نسب پر اظہار فخر کرتے ہیں، جیسے عرفی اس خصوص میں مشہور ہے، ۵

اقبال سکندر بجہانگیری نظم ... برداشت بیکدست قلم او علم را

غزل میں بھی کہیں کہیں اور کبھی کبھی شاعر کسی خاص پیرایہ میں یا اپنے آپ کو غیر فرض کرکے اپنی تعریف کا کوئی پہلو نکالتا ہے، لیکن اسکی حیثیت شاعرانہ تعلی سے زیادہ نہیں ہوتی، یہ تعلی کبھی کبھی بڑی حد تک حقیقت پر مبنی ہوتی ہے، جیسے ڈاکٹر اقبال کا شعر ہے،

بیا اینجا کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی ... برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

یا حافظ شیرازؒ حاسد سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں،

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ ... قبول خاطر و لطف سخن خداداد است

در آسمان چہ عجب گر ز گفتۂ حافظ ... سماع زہرہ برقص آورد مسیحا را

لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ ہر غزل میں، مقطع میں، مطلع میں، غزل کے درمیان میں جابجا کوئی شاعر اپنے کمال، اپنے علو مرتبت، اپنی روحانی فضیلت کا طومار باندھ دے، اور سارے دیوان کو صرف اپنا قصیدہ مدحیہ بنا دے، خصوصاً جب کہ شاعر کوئی خودپسند، نفس پرست، طالب زر دربار داری کرنے والا شخص نہ ہو، بلکہ غیور حق پرست اہل دل ہو، اور مقدس شخصیت رکھتا ہو، دیوان شمس تبریز میں شمس کا نام کسی خودپسند مداح کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ممدوح ذیشان کی حیثیت سے آیا ہے، مدح تو مسلم ہے، لیکن مدح کی نوعیت بھی تو قابل غور ہے،

ہم ان مداحیہ اشعار میں سے چند اشعار درج کرتے ہیں، جن سے مدح کی نوعیت اور ممدوح کی حیثیت دونوں کے متعلق صحیح اندازہ ہو جائے گا، مختلف غزلیات کے مطلعوں، مقطعوں، اور غزل کے درمیان میں حضرت شمس کا نام اسطرح آتا ہے،

ہر قطرہ ز بحرِ شمس تبریز،
مانند صدف ہزار دریاست

عاشقانِ عشق را بسیار با زیہا دہیم
چونکہ شمس الدین تبریزی کنوں شیدا رما

چون درخت را نہ بینی مرغ کے بینی درد
پس چہ گویم با تو جان جان ای تبریز را

درد شمس الدین بود سرمایہ درمانِ ما
بے سروسامانی عشقش بود سامانِ ما

ایک مدحیہ غزل کے اشعار یہ ہیں:۔

شمس تبریزی چو نمائی جمال
جانفزائی جانفزائی جانفزا

شمس تبریزی توئی ہادیٔ دل
رہنمائی رہنمائی رہنما

شمس تبریزی زعشقت سوختم،
جانِ مائی جانِ مائی جانِ ما،

بعض غزلیات میں مسلسل دو دو شعر مدح کے ہیں،

دم مزن و ترک کن بہر دل شمس دین
زفت واشارات را نظر و عبارات را

می برد از بہر جان سالک اہلِ عیان
شمس کہ جانہا ازو یافت مراعات را

آمد نسیم عشق ز تبریز جانفزا
آورد صد ہزار پیام از دم ضیا ر

اے ایاز دل و جان شمس حق تبریزی
نیست در ہر دو جہان چون تو شہ محمودے

شمس تبریز چو شمس فلک از نور تو است
نور بخشے ہمہ را از نظر بینائے،

شمس تبریزی تو ما را محو کن
زانکہ تو چون آفتابے ما چو مہ

مفخر تبریزیان شمس حق دین
ہست چو خورشید و مہ نیست مگر فانے

تو شمس دولتِ دینے بخواجگی چو نشینی
صد آفتاب فلک را چو بندگان نشانی

مثنوی ذاکر مناقب شمس
تا سر از جیب او بدر نکنی۔

مخدوم شمس الدین شہم ہم آفتاب و ہم مہم
بر خاک از من سر نہم ہم سر او بد زان متہم

عشق شمس الحق تبریز رہ قبلۂ دین
جز بدیں دولت باقی بچہ باشیم سزا

بلا دانا شناسہ شمس تبریز
ترا این مردم نادان چہ دانند

کسے کز جان غلام شمس دین نیست
ز عشقش جان او خرم نگردد،

درمیان غزل میں ہے:

نداند سرو برگ کار آن را،
درختے را کہ شمس الدین نشاند،

چو شمس الدین تبریزی درآید،
بیک دم زان ہمہ دامت رہاند،

مدح کے یہ اشعار جن میں بعض مقطعے اور مطلعے ہیں، اور بعض غزل کے درمیانی حصے ہیں، ہمارے پیش نظر ہیں، ان میں کہیں تو حضرت شمس کو ایک بحر حقیقت سے تشبیہ دیگئی ہے، اور اسکے ہر قطرہ کو ہزار دریا کے مانند بتایا گیا ہے، کہیں شمس کے "دردِ عشق" کو اپنے لئے درمان سمجھا گیا ہے، کسی شعر میں شمس کے مرتبہ عظمت کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے، کہ وہ چاند اور سورج ہیں لیکن لافانی،

کہیں مدحت کا یہ انداز ہے کہ حضرت شمس کی رفعتِ مکان کو آفتاب اور ماہتاب کے بلند تر ظاہر کیا گیا ہے، اور اس طرح اپنے آپ کو انکے آگے "سجدہ تعظیمی" کے قابل بھی نہیں سمجھا،

کیا مدح اور تعریف کے یہ سارے اعتبارات کسی شاعر نے اپنے لئے استعمال کئے ہیں، یا کر سکتا ہے، کیا وہ ایسے اوصاف کو کثرت سے اپنی طرف منسوب کر سکے گا، جواب جب نفی میں ہے تو پھر مدح کسکی ہے،

کیا شمس تبریز اپنی زبان سے اپنی مدح میں اس کثرت اور عقیدت کو کام میں لا سکتے ہیں، ہرگز نہیں،

اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے، کہ یہ مدح یا مداحیہ کلام کسی طرح شمس تبریز کا اپنا نہیں، بلکہ کسی غیر کا ہے، جس کا دل اور زبان دونوں مدحِ شمس میں اپنی ارادت و

عقیدت کی تسکین پاتے ہین،

چنانچہ اس سے دیوان بھرپڑا ہے، دیوان کے علاوہ مثنوی معنوی مین کئی اشعار مدح شمس مین ہین جس کر صاف ظاہر ہوتا ہو کہ مداح کون ہو اور ممدوح کسکی ذات والاصفات ہو،

شمس تبریزی کہ نور مطلق است، آفتاب ست وز انوار حق است،

چون حدیث روے شمس الدین رسید شمس چارم آسمان رو در کشید،

خود غریبی در جہان چون شمس نیست شمس جان باقی ست کورا امس نیست

در تصور ذات اورا گنج کو، تا در آید در تصور مثل او،

ہم مدح کے کچھ اور ایسے اشعار درج کرتے ہین، جو مندرجۂ بالا اشعار سے زیادہ واضح طور پر مدح کی نوعیت کو ظاہر کرتے ہین،

ز عشق شمس دین این طرفہ بندے، کزان بندم کشایش بود چندے،

ز شمس الدین بود وصف خدائی کہ می جوشد بدریائے بقائے،

ز شمس الدین بود جائز شرابے کز وجانست سرمست وخرابے،

خسرو شرق شمس دین از تبریز چون رسد از مہ و از ستارگان واللہ عار آیدت

شمس تبریزی در آمد در دلم بنہاد وز شراب عشق او گشت این در و دیوار مست

شمس تبریزی نہی تو شمس گردون ذرہ بے تو می یابد کسوف و با تو می یابد حیات

عقیدت مند مداح سارے عالم کو نور شمس سے پر نور پاتا ہو،

شمس تبریزی ز تو عالم پر از نور و صفات ذرہ ذرہ از محیط لطف آن آثار مست

شمس تبریزی صلاح اہل عالم آمدست آنکہ خاک پایش آمد بے ریاست آمدست

عشق شمس تبریز مین عقیدت مند شاعر سامان بقا دیکھتا ہو،

بعشق شمس تبریزی بدہ جان، کہ تا چون عشق او پاینده باشی

مستیم زجام شمس تبریز جام مئے او مباد بے ما

ایک غزل کا مطلع یہ ہے،

از دور بدیدہ شمس دین را، فخر تبریز و رشک چین را

شمس سے ارتباط معنوی کا ذکر اس شان سے ہے،

شمس تبریزی جماعت ار تو دارد جمعیت فرض وسنت نیست الا دوستی تو مرا

اس مخلص اور ارادتمند کو شمس کی نسبت سے شہر تبریز بھی عزیز تھا، شمس کی مدح سے تو دیوان بھرا پڑا ہو، لیکن تبریز کی ثنا و تعریف مین بھی کئی غزلین ہین، ان مین ایک غزل کا مطلع ہو،

دیدہ حاصل کن دلا وانگہ ببین تبریز را بے بصیرت کے توان دیدن چنین تبریز را

ایک غزل کے آخر مین یہ مدحیہ اشعار مسلسل ہیں،

اے دل خامشی گزین وز بر ماجد این نشین تا ز جناب شمس دین نور حیات میرسد

گوہر ناب شمس دین جام شراب شمس دین ہر شبم از عطاے او قدر و برات میرسد

نقل وکباب شمس دین چنگ و رباب شمس دین ہر نفسم ز بزم او بہرہ ثبات میرسد

اے شہ و شاہ شمس دین قدرت حق جلال بین بشنو اے مرید جان کاین چہ برات میرسد

ہر کہ نام شمس تبریزی شنید و سجدہ کرد روح او مقبول حضرت شد انا الحق میزند

کیست آنکس کو چنین مردی کند اندر جہان شمس تبریز آنکہ ماہ بدر را انشق می کند

شمس الحق تبریزی شاہ ہمہ شیرانست در بیشۂ جان ما آن شیر وطن دارد

ہر گز نشو و غافل از ذات و صفات حق ہر کس کہ ز شمس یک ذرہ نظر یابد،

یہ پوری غزل مدح شمس ہی مین ہو،

جانم بفدائے شمس دین — تا ہمچو رضائے شمس دین شد

جانِ ملکی وجسم خاکی ، — خاکِ کفِ پائے شمس دین شد

رضوان بہشت و ساکنانش ، — سرمست رضائے شمس دین شد

(الی آخرہ)

انتہائی تعریف ہے ،

اے شمس الدین شاہ تبریز — از بندگیت شہنشہانیم ،

شمس الدین تبریزی بر لوح چو پیدا شد — واللہ کہ بے منت بر لوح و قلم دارد

کثرتِ مدح گوئی سے یارائے گفتن ہی نہ رہا ، تو فرماتے ہیں ،

شمس تبریز کنون کز تو سخن گشت انبسیط — زہرۂ ما نبود تا دمِ گفتار زنیم

لیکن یہ عاشق مخلص و مضطرب جسکی گفتار کا جزو مدحِ شیخ ہے ، خود تعریف کرتے کرتے تھک گیا ہے تو دوسرون کو حکم دیتا ہے کہ شمس کی مدح کرین ،

اے حسام الدین جان کن مدحِ آن سلطانِ عشق — گرچہ منکر در ہوائے عشق او دم میزند

شمس تبریزی ستادہ مست در دستش کمان — تیر زہر آلودہ را بر جانِ احمق میزند

یہ اشعار بھی مدحیہ ہین لیکن تعریف و توصیف زیادہ نمایان ہے ،

ان اشعار کو درج کرنے اور مبہم اور واضح مدحیہ اشعار کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ اس مدح کی نوعیت ظاہر ہو جائے ، جو شمس تبریز کے نام کیساتھ دیوان شمس تبریز میں پائی جاتی ہے ، اس سے یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے ، کہ وہ کلام جس کے اجزا یہ مدحیہ اشعار ہین ، خود حضرت شمس جیسے ولی کامل کا نہیں ہے ، کیونکہ اس مدح کی نوعیت کاملاً نہایت عقیدتمندانہ اور ارادتمندانہ ہے ، یہ تحسین ہرگز شاعرانہ تعلّی نہیں ہو سکتی ،

تاریخ و تذکرہ کے اوراق پیشِ نظر ہون تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مداح کون ہے اور حضرت شمس سے اس قدر وابستگی کسکو ہے ،

سپہ سالار[۱] حضرت شمس اور مولینائے روم کے روابط کے ذکر مین لکھتے ہیں ، جب جناب شمس دمشق تشریف لے گئے ، تو مولینا نے کئی غزلین لکھکر بذریعہ سلطان ولد حضور کی خدمتِ باسعادت میں روانہ کین ، ان میں حضرت شمس کی رفعتِ شان اور عظمتِ مقام کا ذکر اس رنگ میں ہے ،

بخدائے کہ در ازل بودہ است — حیّ و دانا و قادر و قیوم

نور او شمع ہائے عشق افروخت — تا شد صد ہزار سرّ معلوم

از یکے حکمِ او جہان پر شد — عاشق و عشق و حاکم و محکوم

در طلسمات شمس تبریزی — گشت گنجِ عجائبش مکتوم

یہ مولینا روم ہین ، جنھون نے شمس تبریز کو "گنج عجائب" لکھا ہے ، اور خدائے قادر و قیم کی قسم کے بعد حضرت شمس کی توصیف و تعریف کرتے ہیں ، مندرجہ بالا مدحیہ اشعار اور اس تعریف میں قطعی یکسانیت ہے ، ضرور ہے ، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مدحیہ اشعار اور وہ کلام جس کے یہ اجزا ہین مولینا ہی کا ہے ،

آخری شعر تو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ کلام مولینا ہی کی زبان فیض اثر پر جاری ہوا ہے ، آپنے کثرتِ مدح و ذکر سے بیتاب اور ناتوان ہو کر حضرت حسام الدین کو حکم کیا ہے کہ وہ مدح اس سلطانِ عشق کی کرین ، حضرت حسام الدین کی عظمت اور مولینائے روم سے ان کے روابط کا اندازہ سپہ سالار کے اس بیان سے ہو سکتا ہے ،

" ذکر رابع در خلافت حضرت حسام الدین عظم اللہ درجاتہ "

[۱] رسالہ سپہ سالار ص ۹۷ ،

"بعد از شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ در حال حیات حضرت خداوندگار انز سام تمام وبعد از ان نیز شیخ قائم مقام وخلیفہ وامام تمامت اصحاب حضرتش بود"

(سپہ سالار ص۴۳)

صرف مولینائے روم ہی کے ساتھ حضرت حسام الدین چلپی کے تعلقات اس قدر عاجزانہ اور مودبانہ تھے[1]، کہ ان کے کوئی دوسرا شخص ان کو بطور حکم کچھ نہ کہہ سکتا تھا، کیونکہ اکابر تحریر تھا،

"تمامت اصحاب ملازم ایشان بودند وملازمت او تقرب بحضرت خداوندگاری جستند"

(سپہ سالار ص۴۳)

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ سارے مدحیہ اشعار اس مداح کے ہین، جس نے کثرتِ مدح سے تھک کر حضرت حسام الدین سے مدح کی فرمایش کی، اور تحقیق سے معلوم ہوا، کہ حضرت حسام الدین کو مدح کا حکم فرمانے والی مولینا روم کے سوا کوئی اور ہستی نہیں ہوسکتی پس دیوان شمس تبریز جو ایک حیثیت سے حضرت شمس کی مدح کا مجموعہ اور ان کے مناقب کا ذکر ہے، وہ مولینائے روم کا کلام ہے، اور مولینائے روم ہی جسم وجان سے عشقِ شمس اور مدحِ شمس مین مضطر بنے ہوئے ہیں،

ز بہر عشق شمس الدین تبریز	شدہ جان مضطرب دین چو زبانست
شمس الحق دین جو یم من مدحت اگویم	از عشقِ رخش پویم آہستہ کہ سرمستم

[1] مولینا روم کے ساتھ ان کے مودبانہ طرز عمل کے متعلق سپہ سالار کا بیان ہے ص۴۳ "از جملۂ آداب او آن بود کہ ہرگز در مدت ملازمت از حضرت خداوندگار قطعاً بتوضائی کہ بدیشان منسوب بود، در نیامد، در شبہائے زمستان بوجود سرما وبرف باران بسرائے خویش رفتے وتجدید وضو کردہ باز آمدی ودائم در حضور خداوندگار قدس سرہ بزانوے ارادت نشستہ بودی، لاجرم بدین ادب سلوک یافت انچہ یافت؛

فیوض حضرت شمس کا اعتراف، ہم نے مدحِ شمس اور اسکی نوعیت اور مداحِ شمس کے متعلق گفتگو کی ہے؛ حیرت یہ ہوتی ہے کہ مولانائے روم جیسا جلیل القدر عالم وعارف حضرت شمس کی مدح وثنا کیون کرتا ہے، اور وہ بھی اس جوشِ عقیدت سے، کوئی شخص بے وجہ کسی کی ثنا وتعریف نہیں کرتا، یا تو کسی کا بید ممنون ہوتا ہے، یا اسے کسی صلۂ خاص کی امید ہوتی ہے، درباری اور خوشامدی شعراء تو صرف طلبِ زر یا ہوسِ جاہ کے باعث اہلِ دولت کی مدح مین دل ودماغ زبان اور قلم کا زور صرف کرتے ہین، لیکن حضرت رومی جیسے عارفِ حق شناس کو کسی ایسے اعتبار سے کیا سروکار، مولینا روم کو کوئی ایسا فیضِ باطنی اور نعمتِ عظمیٰ حضرت شمس کی ذات سے پہنچی ہو کہ انکی ثنا کر فطرت اوران کا قدرشناس دل اس کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا،

مولانائے روم حضرت شمس کی ملاقات سے پہلے زیادہ تر بحیثیت ایک عالم ظاہر کے "اخبار رسول" سے واقف تھے لیکن جب شمس سے ملاقات ہوئی، تو خاص طور پر "اسرار رسول" کا آفتاب جہانتاب ان کے مطلعِ دل پر طلوع ہوا،

چون نور پاک شمس در پردۂ جان دید مش	بے پردہ جان یافتم سررشتہ، اسرار را

شمس کی اس فیض بخشی اور نور افشانی کا اعتراف بارہا مختلف پیرایہ میں کیا ہے، ہم چند اہم مثالیں درج کرتے ہین، جس سے حقیقتِ حال کا اندازہ ہوجائے گا،

حضرتِ شمس کے فیض معنوی کا اظہار فرماتے ہین،

بگریز ز نور شمس تبریز،	تا کشف شود ہمہ معانی
شمس الحق تبریز من این شہد شکر ریز من	صد شور وشر انگندہ اندر دلِ شیدائے من
ہر کہ او با شمس تبریزی نشست	گشت صافی دل ز انوار قضار
ز عشق شمس تبریز یست فیضِ دیدۂ باطن	زہے تشریف کرمنا زہی انوار ربانی

سجدہ کن بہر نفس از پئے شکر آنکہ حق   در تبریز مر مرا بندۂ شمس دین کند،

ہر کہ ز جان و دل نشد چاکر شمس دین ما   در رہ علم و معرفت غافل و کور می رود

بفروز شمع جان را ز جمال شمس تبریز   کہ دلت شود مصفا ز کدورت نہانی

و اگر نہ اے دو دیدہ بدہم ز خاک تبریز   ز برائے کحل دیدہ بکف صبا غبارے

ز رحیق شمس دینم تو بیار بادہ ساقی   کہ شود سوار جانے و دل پیادہ ساقی

چو شمس الدین تبریزی شود سرمست جام حق   ہزاران گوہر معنی بفرق ما فرو ریزد

مولینا یہاں اپنی ممنونیت کی انتہا ظاہر فرماتے ہیں،

منکر از دیدہ انکار سوئے دیدہ شمس   ہر چہ ہستم سگ این کوچہ و این درگاہم

حضرت شمس بھی اپنی نسبت کی نوعیت بیان فرماتے ہیں،

شمس تبریز کہ مشہور تر از خورشید است   منکہ پیمانہ ہستم چو قمر مشہورم،

شمس تبریز بما راہ حقیقت بنمود،   ما ز فیض قدم اوست کہ ایمان داریم

جب حضرت شمس تبریز قونیہ تشریف لائے اور مولانا نے ان کی صحبت کیمیا خاصیت اختیار فرمائی تو یہاں اس صحبت نے خلوت کی صورت اختیار کی، شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی کو خلوت میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی، اکثر اصحاب فیض صحبت سے محروم رہے، ایک مدت تک تحمل کرتے رہے، لیکن اس عالم فراق سے رہائی کی کوئی صورت دکھائی نہ دی، آخر کار بدبختی سے ان کے دلوں میں حسد کی آگ پیدا ہوئی، اور انھون نے متعصبانہ حرکات شروع کر دیں، اپنی ارادت کو شیخ کی ارادت پر فضیلت دی فسق کو عشق جانا، جب ان کی گستاخیاں حد سے زیادہ گزر گئیں، اور اندیشہ فتنہ کا ہوا تو حضرت شمس از روے مصلحت دمشق کی طرف روانہ ہو گئے، مولینا نے بھی سب سے متنفر ہو کر عزلت نشینی اختیار کی،

حضرت شمس کی جدائی کا ذکر دیوان میں،

"بعد از ہجرت ایشان خداوندگار از تمامت اصحاب انقطاع و عزلت اختیار کرد"[1]

حضرت شمس کے فیض اور ان کے دشمن کی بدبختی کا اظہار اس شعر میں کیا ہے،

اے شمس تبریزی مرا مقبول و کامل ساختی   و آنکس کہ آہ دشمنت ملعون و ابتر ساختی

ایک اور موقع پر حضرت شمس کے فیض کو اس طرح بیان فرماتے ہیں،

جان را برآرد بر سما از عزت رب العلا   گر زان کہ شمس الدین کند بر عاشق خود یارئے

مولانا ہی وہ عاشق تھے، جن کی یاری اور دلداری کی خاطر حضرت شمس قونیہ تشریف لائے، سپہ سالار کی شہادت ملاحظہ ہو،

"سبب ہجرت مولینا شمس الدین تبریزی عزاسمہ بطرف روم و پیوستن بحضرت خداوندگار آن بود کہ وقتی مولینا شمس الدین در وقت مناجات می فرمود کہ ہیچ آفریدہ از خاصان تو باشد کہ صحبت مرا تحمل تواند کردن، درحال از عالم غیب اشارت رسید کہ اگر حریف خواہی بطرف روم سفر کن درحال ازان جاے متوجہ ولایت روم گشت و شہر بشہر جویان گشت تا بمحروسہ قونیہ حرسہا اللہ تعالیٰ برسید"

دیوان میں ایک اور شعر ہے، جس میں اسی واقعہ اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے،

شمس تبریزی بر دم آمد بر من شام بود   وقت صبحی من بہ تبریزش خرامان یافتم

اپنی سرمستی اور باطنی انقلاب کے متعلق لکھتے ہیں،

شمس الحق تبریزی تا داد مرا جامے،   از جوشش صہبایش شوریدہ و سرمستم

اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں، کہ یہ شوریدہ و سرمست کون ہے، تو دیوان میں خود

[1] سپہ سالار صفحہ ۶۶،

ہی جواب دیتے ہین،

رومی بسر راہ ملامت شد بنشست — اے خلق بدانید کہ ما عاشق و مستیم،

حضرت شمس کی ملاقات کا اثر، مولینا کی شاعری پر اسکا ذکر دیوان مین

مولینا کی شمس سے ملاقات نہ صرف عاشقانہ مستی و شوریدگی کا باعث ہوئی، بلکہ سخن بخش بھی ثابت ہوئی، سماع اور شعر کا مشغلہ بڑھ گیا، جو کیفیت طاری ہوتی تھی، اسے من وعن اشعار مین بیان کرتے تھے،

سخن بخش زبان من چو باشد شمس تبریزی — تو خامش تا زبانہا خود چو دل ہا من باشد

ان اشعار اور اس بیان کا واقعات اور سوانح سے جو ربط ہے، ملاحظہ ہو،

سپہ سالار کا بیان ہے کہ صحبت شمس سے مولینا پر ایسی شوریدگی اور مستی طاری رہی کہ کھانے پینے کا بھی ہوش ٹھیک نہ رہا، چنانچہ پہلی ملاقات کا حال لکھا ہے:۔

"در حال ہر دو فرود آمدہ ہمدیگر را معانقہ و مصافحہ کردند و چون شیر و شکر بہم در آمیختہ چنانکہ دفعہ اول مدت شش ماہ آزاد در حجرہ شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ بہم صحبت فرمودند چنانکہ قطعاً و اصلاً اکل و شرب و حاجات بشری در میان نبود"

(سپہ سالار ص ۶۶)

یہ شوریدگی کا عالم تھا، اب سخن سرائی اور محفل سماع کی کیفیت سنئے:۔

"بعد ازان بیرون آمدہ حضرت خداوندگار را بسماع رغبت فرمود، و حقائقے کہ در شرح آن طولی و عرضے ہست در سماع بدیشان بیان فرمود و بعد از سماع صحبت ایشان مخصوص بود بمولانا شمس الدین"

(سپہ سالار ص ۶۶)

مناقب کا بھی یہی بیان ہے،

"دائماً اسرار و غزلیات می فرمود" (مناقب العارفین مطبع ستارہ آگرہ ص ۲۹۲)

مثنوی میں فیض شمس کا ذکر،

مثنوی میں بھی حضرت شمس سے فیض کا ذکر مختلف مقامات پر ہے،

واجب آمد چونکہ بردم نام او — شرح کردن رمزے از انعام او

وی ار سایہ از نشانے می دہد — شمس بردم نور جانی می دہد

این نفس جان دامنم بر تافتہ است — باز گو رمزی ازان خوش حالہا

تا زمین و آسمان خندان شود — عقل و روح و دیدہ صد خندان شود

من چہ گویم یک رگم ہوشیار نیست — شرح آن یارے کہ او را یار نیست

شمس در خارج اگر چہ ہست فرد — مثل او ہم می توان تصویر کرد

لیک آن شمسے کہ شد ہستش اثیر — نبودش در ذہن و در خارج نظیر

ان اشعار سے یہ امر بالکل عیان ہو جاتا ہے کہ حضرت مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ کس آفتاب کے فیض کا ذکر کرتے ہین، اور ان مین اور شمس مین کیا ربط ہے، دیوان مین جو اس نوعیت کے اشعار پائے جاتے ہین، ان مین فیض رسان کون ہے اور فیضیاب ذات کس کی ہے،

بالآخر ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ دیوان شمس تبریز جس مین اعتراف احسان اور تشکر فیضان شمس کے مندرجہ بالا اشعار پائے جاتے ہین، مولینا روم ہی کا کلام ہے، شمس کا نہین ہے،

درد فراق کا اظہار،

حضرت شمس کی مدح اور ان کی فیض رسانی کے اعتراف مین جو جو اشعار ہین، وہ تو نظر سے گذر چکے، اور سوانح تاریخی کی روشنی مین یہ بھی ظاہر ہو گیا، کہ مدح کرنے اور فیض پانے والی ممنون احسان شخصیت کسکی ہے،

اب ہم ایسے اشعار کی طرف متوجہ ہوتے ہین، جو حضرت شمس کی نامعلوم غیر متوقع جدائی پر لکھے گئے ہین، ان مین آتش فراق اور دل کے اضطراب کی تصویر ہے،

زہے چشم مرا حاصل شدہ آئین خونریزی — ز ہجران خداوندی شمس الدین تبریزی

اندر طلب تو شمس تبریز، جائز است مدام جست و جوئی،

ز شمس الدین و لابس دور دوری ز دوری گوئی ہمچو نفخ صوری

اس نظمِ فراق میں یہ جو رنگ ہے، وہ خونِ جگر ہی کا نتیجہ ہے،

خود ببین در نظم شعرم منگر بہرا نکو، دیدہ و دل را ز عشقش ہست خون بالائے،

خون می جوشد منش از شعر رنگے می دہم نافہ خون آلود گردد جامہ خون آلائے،

من چون جانداری بدم در خدمتِ آن بادشاہ اینک اکنون در فراقش میکنم جان شائے،

غمِ فراق دردِ بے دوا ہے،

از فراقِ شمس دین افتادہ ام در تنگنا او مسیح روزگار و درد چشمم بے دوا

تا شمس تبریزی تمن دل بر ادائے شوریدگان ہر روز از عشق رخش شوریدہ شوریدہ ترم

حالتِ جدائی مین بادِ صبا کے ذریعہ سلام اور پیام بھیجتے ہین،

بادِ صبا سلامِ ما جانبِ شمس دین رسان کز نظر قبول او در رہِ بقا بسر برم،

الا اے شمس دین یکدم عیاں شو، کہ در عشقت سرے دارم چون گوئی

دردِ فراقِ شمس کی منظوم تصویر تو دیوان مین ہم نے دیکھ لی، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ عاشقِ بیتاب کون ہے جو ہجرانِ شمس مین خونریزی کر رہا ہے، جس کی جستجو مین وہ مجسم طلبِ دوام بنا ہوا ہے، جس کی شوریدہ سری اور خونچکانی کا یہ عالم ہے، کہ کلام سے یہ رنگ صاف ظاہر ہے، ہم تاریخ و تذکرہ سے دریافت کرین کہ وہ کون ہستی ہے، جس کی فراقِ شمس مین یہ حالت ہوئی، تو امید ہے کہ ہمیں جوابِ شافی مل جائے گا، سپہ سالار حضرت شمس اور ان کے اصحاب کا معتبر ترین تذکرہ ہے لیکن اس مین کسی کے متعلق یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جدائی شمس سے انکا ایسا حال ہوا، اور ان کی بیتابی کی یہ کیفیت ہوئی،

البتہ مولانائے روم کے دردِ جدائی شمس کے متعلق سپہ سالار کا یہ بیان ہے،

صحبتِ ایشان بخصوص بود بمولانا شمس الدین بدان سبب اکثر اصحاب از بندگی حضرتِ ایشان محروم می ماندند، ومدتے بسیار تحمل می کردند، مگر جراحاتِ بعد را مرہم قرب اندمالی بخشند ہرگز ممکن نہ شد، لاجرم بواعثِ حسد در نفوس ایشان مستمر گشت ..... عاقبت غبار انکار را بروے کار آوردند وفسق را عشق شمردند، حضرتِ شان از خار انکار آن جماعت برہم نمی شد ..... چون از حد تجاوز کردند دانست کہ بعضے خواہد شدن بفتنہ بسیار جہت مصلحت وقت علی حین الغفلہ بمحروسہ دمشق ہجرت فرمود، بعد از ہجرت ایشان خداوندگار از تمامت اصحاب انقطاع وعزلت اختیار کرد ..... ناگاہ از حضرت مولینا شمس الدین بخداوندگار از محروسہ دمشق مکتوب آمد بعد ازان حضرت خداوندگار در شوق عشق آنحضرت باز بسماع شد و کلمات وغزلیات انشا فرمود،

تذکرہ و واقعات مین یہ حال سوائے مولانائے روم کے کسی اور سے منسوب ہی نہیں، اور یہ غزلیات وہی ہین جنسے دردِ فراق اور غمِ جدائی کے چند اشعار ہم نے بطور مثال دیوان سے منتخب کرکے لکھے ہیں، حقایقِ حیات اور اشعار کا یہ واضح ربط اس امر کی کھلی ہوئی داخلی شہادت ہے کہ دیوانِ شمس تبریز حضرت شمس کا کلام ہرگز نہیں، بلکہ ان کے جان نثار و عاشق مولینا روم کا کلام ہے،

ابھی سپہ سالار کے بیان سے معلوم ہوا کہ جب دمشق سے ان کے نام حضرت شمس کا خط آیا تو مولانا کو انکا پتہ لگا، اور یک گونہ اطمینان ہوا، دیوان مین اس مضمون کا ایک شعر ہے،

رسید مژدہ بہ شام است شمس تبریزی چہ صبحہا بہ نماید اگر بہ شام بود،

مولینا اس حال میں مقیم تو تھے قونیہ میں لیکن دل انکا دمشق مین تھا، چنانچہ دیوان سے انکی بھی شہادت ملتی ہے،

ما عاشقِ سرگشتہ و شیدائی دمشقیم جان دادہ و دل بستہ سودائی دمشقیم،

از روم بتازیم دگر بار سوے شام کز طرّہ چون شام مطرائی دمشقیم

از مسکن معروف چو بگرفت دلِ ما ما طالبِ تالیف زِ ابنائے دمشقیم

(کلیاتِ شمس تبریز ص ۵۰۳)

اسکے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ سلطان ولد مع ایک مختصر جماعت کے طلب شمس کیلئے بجانب دمشق روانہ ہوگئے اور مولینا نے کئی غزلین لکھکر خدمت شمس میں روانہ فرمائین،

"حضرت خداوندگار قدس سرہ این غزل را در طلب حضور شریف مولینا شمس الدین رضی اللہ عنہ انشا کردہ بصحبت سلطان ولد رضی اللہ عنہ ارسال فرمود،

بخدا این کہ در ازل بود ست، حیّ و دانا و قادر و قیوم،

اسی سلسلہ میں ایک شعر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہ ایک غزل نہیں تھی اور بھی غزلیات تھیں،

بس بہ ذوق سماع نامہ تو ! غزلے پنج و شش بشد منظوم،

(سپہ سالار ص ۶۷)

دیوان میں اسی واقعہ سے متعلق ایک غزل ہے کہ جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

ز لوح عشق نوشتیم این غزلہا را، بہ شمس مفخر تبریز از این غلام برید

حضرت شمس کی قونیہ کو واپسی، جب سلطان ولد حاضر خدمت ہوئے اور مولینا کا سلام و پیام پہنچایا تو حضرت شمس نے قونیہ کا عزم فرمایا،

"سلطان ولد باتمامت یاران چندگیش درآمدہ سر بسجدہ عبودیت نہادند و سلام حضرت خداوندگار و مکتوب رسانیدند، مولینا شمس الدین بخندہ خوش فرمود، ما را بسیم و زر چہ میفریبید، ما را طلب مولینائے محمدی سیرت کفایت است، و از سخن و اشارت او تجاوز چگونہ توان کردن ..... چون مصالح تمام شد عنان عزیمت بطرف قونیہ روان فرمودند ..... چون خبر وصول ایشان بقونیہ برسید حضرت خداوندگار با تمامت اکابر و اعاظم باستقبال بیرون آمدند ..... ہر دو آفتاب حقیقت بہم دگر قران کردند .... حضرت خداوندگار قدس سرہ بشرائے اول بحضرت مولانا شمس الدین قدس اللہ سرہ در آمیخت" (باقی)

اکبر کا علمی ذوق

از جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب رفیق دار المصنفین،

(۲)

ارباب کمال اس جماعت میں سب سے پہلے ہماری نظر ابو الفیض فیضی فیاضی پر پڑتی ہے جو شیخ مبارک کا خلف اکبر تھا، اس کے علم و فضل کی شہرت نے بیس برس کی عمر میں اسے اکبر کے دربار تک پہنچا دیا، جہاں وہ چہار صدی منصب پر فائز ہوا، اور جب تیس برس کا ہوا تو ملک الشعراء کے گراں بہا خطاب سے سرفراز کیا گیا، عربی، فارسی اور سنسکرت کا جید عالم تھا، اس نے ایک سو ایک کتابیں مختلف زبانوں میں تالیف کیں، اسکی اکثر تصانیف کا ذکر اوپر آچکا ہے، اس کا علمی شغف اس قدر بڑھا تھا کہ جب وہ مرا تو اپنے کتب خانہ میں ۴۳۰۰ کتابیں چھوڑیں، جو شاہی کتب خانہ میں داخل کر لی گئیں، شاعری میں یگانۂ روزگار تھا، پہلے فیضی پھر فیاضی تخلص کرتا تھا، چنانچہ خود کہتا ہے،

زیں پیش کہ سکہ ام سخن بود، فیضی رقم نگین من بود

اکنوں کہ شدم بعشق مرتاض، فیاضیم از محیط فیاض

اس کے قصائد، غزلیں، اور مثنویاں فارسی کی بہترین نظموں میں شمار کی جاتی ہیں، اس کے اشعار کے نمونے آئین اکبری میں کثرت سے دیئے ہیں، اس کے کل کلام کی تعداد ۵۰ ہزار کے لگ بھگ ہے اس کے دیوان کا نام طباشیر الصبح ہے،

اکبر کا محبوب ترین دوست تھا، اس کو ہمیشہ پاس رکھتا تھا، اور اسکی ہمہ گیر قابلیت سے برابر فیضیاب

ہوتا رہتا تھا، اکبر کے لڑکوں کی تعلیم اسی کے ذمہ تھی، ۱۰۰۴ھ میں وفات پائی، جب بسترِ مرگ پر تھا تو ایک رات اکبر کو خبر ہوئی کہ وہ عالمِ نزع میں ہے، آدھی رات گزر چکی تھی، مگر اکبر اپنے محبوب دوست کے گھر پر اسی وقت شاہی حکیم لے کر پہنچا، اضطراب میں فیضی کا سر پکڑ کر بولا "شیخ جیو! آنکھیں کھولو، دیکھو حکیم علی کو ساتھ لایا ہوں، آخر بولتے کیوں نہیں ہو" مگر فیضی کی زبان بند ہو چکی تھی، اکبر نے پھر جھنجھوڑا، مگر اس مرتبہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی، غایتِ اضطراب اور صدمہ میں اکبر نے سر سے دستار اتار کر زمین پر پھینکدی[1]،

فیضی کی لیاقت، قابلیت، دقتِ نظر اور جودتِ طبع کے تمام واقعہ نگار معترف ہیں، ملا عبد القادر بدایونی اس کو عقیدے کے لحاظ سے بہت ہی سخت اور برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، مگر جہاں اسکی علمی لیاقت کا ذکر آتا ہے، اس کی خوبیوں کی داد دل کھول کر دیتے ہیں، اسکی مثنوی نل دمن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کتاب تین سو سال کے اندر نہیں لکھی گئی، ایک جگہ اسکے بارے میں لکھتے ہیں

"در فنون جزئیہ از شعر و معما و عروض و قافیہ و تاریخ و لغت و طب و انشاء، عدیل در روزگار نداشت[2]"

صاحب مآثر الامراء اسکی قابلیت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں،

"بدقتِ طبع و جودتِ ذہن از جمیع علوم بخشی وافر برداشتہ، در حکمت و عربیت بیشتر تتبع نمودہ و پزشکی دانش فرا پیش گرفتہ رنجوران تہی دست را چارہ می کرد[3]"

موجودہ دور کے اربابِ کمال بھی اس کے کمال کے معترف ہیں، مولانا شبلیؒ لکھتے ہیں:۔

"فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کئے جن کو اہل زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا، خسرو اور فیضی، مرزا صائب فیضی کی طرح پر غزل کہتے ہیں اور مقطع میں کہتے ہیں،

[1] بدایونی جلد اول صـ۴۰۶ [2] بدایونی جلد سوم صـ۲۹۹ [3] مآثر الامراء صـ۵۸۵،

اینا آں غزل کہ فیضی شیریں کلام گفت، در دیدہ ام خلیدہ و در دل نشستہ

فیضی کی خصوصیات میں سب سے بڑھکر جوش بیان ہے، جس کا وہ موجد بھی ہے، اور خاتم بھی، جوش بیان خواجہ حافظ میں بھی ہے، اور اعلیٰ درجہ پر ہے، لیکن رندانہ مضامین اور دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ مخصوص ہے، فیضی کے ہاں فخریہ، عشقیہ، فلسفیانہ، ہر قسم کے مضامین میں وہی جوش پایا جاتا ہے، جوش بیان اس کے ذاتی حالات کا خاص اثر ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکتا تھا[1]"

محمد حسین آزاد گوہر فشاں ہیں کہ

انشاپردازی فیضی کے قلم کو سجدہ کرتی ہے، اس کے "لطیف استعارے، رنگین تشبیہیں، بلند مضامین، نازک خیالات، فصیح زبان، لفظوں کی عمدہ تراشیں، دلکش ترکیبیں، ادائے مطلب کے انداز دیکھنے کے قابل ہیں[2]"

فیضی کے بعد یکایک اس کے چھوٹے بھائی علامی فہامی شیخ **ابو الفضل** پر نظر پڑتی ہے، ابوالفضل نے ۱۵ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون کی تعلیم پاکر فراغت حاصل کر لی تھی، ۲۰ سال کی عمر میں آیۃ الکرسی کی تفسیر لکھکر اکبر کی خدمت میں گذرانی، فیضی شاہی بارگاہ سے منسلک ہو چکا تھا، اس کے ذریعہ سے ابو الفضل کی لیاقت اور ذہانت اکبر کے کانوں تک پہنچ چکی تھی، چنانچہ تخت نشینی کے نویں سال ابو الفضل شاہی ملازمت میں داخل ہو گیا، پھر تو شاہی جود و کرم کی بارش اتنی ہوئی کہ وہ چار ہزاری منصب پر فائز ہوا، اور عہدۂ وزارت پر سرفراز ہوا، وہ ایک کامیاب سیاست دان بیدار مغز مدبر اور ہوشیار سپہ سالار ہونے کے علاوہ ایک بے مثل ادیب، مورخ اور شاعر تھا، اور علامی کے ممتاز لقب سے ہمیشہ یاد کیا جاتا تھا، اس کی قابلیت اور لیاقت ہر جگہ اور ہر زمانہ میں تسلیم

[1] شعر العجم حصہ سوم صـ۴۲ [2] دربار اکبری صـ۳۷۱،

کی گئی، صاحب ماثر الامرا لکھتے ہیں: کہ

"بجودت طبع و رسائی فہم و علو فطرت و طلاقت لسان در کمتر زمانے یگانہ و بے ہمتائی دقت گردید[1]"

اردو کا سب سے بڑا انشا پرداز جو فارسی کا بھی مسلم الثبوت استاد تھا لکھتا ہے کہ

"شیخ کی انشا پردازی اور مطلب نگاری کی تعریف نہیں ہو سکتی، یہ نعمت خداداد ہے کہ خدا کے ہاں سے اپنے ساتھ لایا تھا، ہر ایک مطلب کو اس خوبصورتی سے ادا کرتا ہے کہ سمجھنے والا دیکھتا رہ جاتا ہے، بڑے بڑے انشا پردازوں کو دیکھو جہاں عبارت میں لطف اور کلام میں زور پیدا کرنا چاہتے ہیں تو بہار سے رنگ لیتے ہیں اور حسن و جمال سے خوبی مانگ کر کلام کو رنگین و نمکین کرتے ہیں، یہ قادر الکلام اپنے پاک خیالات اور سادہ الفاظ میں اصلی مطلب کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ ہزار رنگینیاں ان پر قربان ہوتی ہیں، اس کے سادگی کے باغ میں رنگ آمیزی کا مصور اگر قلم لگائے تو ہاتھ قلم ہو جائیں، وہ انشا پردازی کا خدا ہے، اپنے لطف خیالات سے جیسی مخلوق چاہتا ہے الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے، لطف یہ ہے کہ جس عالم میں لکھتا ہے نیا ڈھنگ ہے اور جتنا لکھتا جاتا ہے عبارت کا زور بڑھتا اور چڑھتا چلا جاتا ہے، ممکن نہیں کہ طبیعت میں تھکن معلوم ہو[2]"

ایک انگریز مورخ اس کے انشا کے متعلق اپنی رائے یوں ظاہر کرتا ہے:-

"ابو الفضل کے طرز انشا پر کسی قسم کی رائے پیش کرنا بے سود ہے، عبداللہ شاہ بخارا کہا کرتا تھا کہ وہ اکبر کی تیروں سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ ابو الفضل کے قلم سے ڈرتا ہے[3]"

[1] ماثر الامرا حصہ دوم صفحہ ۶۱۰ [2] دربار اکبری صفحہ ۴۹۳،

ہندوستان میں ہر جگہ وہ ایک زبردست منشی تسلیم کیا گیا ہے، اس کے مکتوبات تمام مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، اگرچہ ایک مبتدی ان کو پڑھنے میں مشکلوں اور پیچیدگیوں سے گھبرا جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ انشا کے مکمل نمونے ہیں، ابو الفضل کی کتابوں سے لطف اٹھانے کے لئے نہ صرف فارسی زبان پر کافی عبور بلکہ خود ابو الفضل کے طرز انشا پر کافی مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اس کا طرز بے مثل ہے اور گو اسکی تحریر ہر جگہ پڑھی جاتی ہے، لیکن اس کا اتباع نہ کیا گیا ہے، اور نہ کیا جا سکتا ہے[1]"

ابو الفضل کے مختلف تراجم، اور تاریخی شاہکار اکبرنامہ اور آئین اکبری کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان کے علاوہ انشائے ابو الفضل، کشکول، اور جامع اللغات بھی اس کی علمی یادگاریں ہیں، انشائے ابو الفضل اس کے خطوط کا مجموعہ ہے، یہ مجموعہ اب تک مختلف مدرسوں میں فارسی کے درس میں شامل ہے، کشکول میں ابو الفضل کی لکھی ہوئی وہ نثر اور نظمیں ہیں، جو اس نے یادداشت کے لئے وقتاً فوقتاً لکھ لی تھیں، جامع اللغات میں وہ الفاظ مع معانی کے لکھے ہوئے ہیں، جو ابو الفضل نے شاید طالب علمی کے زمانہ میں لکھے تھے،

ابو الفضل شہزادہ سلیم کے اشارے سے بندھیل کھنڈ کے ایک زمیندار بیر سنگھ کے ہاتھوں سنہ ۱۰۱۱ھ میں قتل ہوا، جب اس حادثہ کی خبر شاہی دربار میں پہنچی تو کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس سانحہ کی خبر اکبر تک پہنچائے، آخر کار ابو الفضل کا وکیل سیاہ لباس پہنکر دست بستہ اکبر کے حضور میں آیا، چغتائی خاندان کے کسی شہزادہ کے جب انتقال کی خبر آتی تو اس کا وکیل باب تک اسی طرح خبر پہنچاتا تھا، ابو الفضل کے وکیل کو جب اکبر نے دیکھا تو متحیر ہو گیا، خبر جانکاہ سنکر فرط غم سے نڈھال ہو گیا اور بولا

[1] بلاخ من، تمہید آئین اکبری،

"اگر شاہزادہ را داعیۂ بادشاہی بودے مرا کشتے، و شیخ را نگاہ داشتے"

اور پھر یہ شعر پڑھا،

شیخ ما از شوق بے حد چوں سوئے ما آمدہ ۔۔۔ زاشتیاق پائے بوسی بے سر و پا آمدہ[1]

دربار اکبری کے علم و ادب کے گلدستہ کا گل سرسبد عبد الرحیم خانخاناں بن بیرم خان تھا، یہ صاحب قلم اور صاحب سیف دونوں تھا،

بیرم خاں کے تعلقات شاہی دربار سے آخر میں خواہ کیسے ہی ہو گئے تھے لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت تھی کہ وہ ہندوستان میں تیموری سلطنت کے بانیوں میں سے تھا، اور اکبر کی دستگیری اور پشت پناہی اس وقت کی جب وہ مشکلوں میں گھر کر بے پناہ ہو رہا تھا، احسان شناس اکبر نے بیرم خاں کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے عبد الرحیم کو اپنی تربیت خاص میں لیا، اور اسکی پرورش اور تعلیم اپنی زیر نگرانی کی، جب سن شعور کو پہنچا تو خان مرزا کے خطاب سے سرفراز کیا، اور پھر سپہ سالار بنکر خانخاناں ہوا[2]، ہم کو اس وقت اس کی شجاعت، تدبر، فتوحات اور جنگی معرکوں سے کسی قسم کی بحث نہیں، بلکہ ہم کو اس کے تبحر علمی، کمال انشا پردازی، علم دوستی اور ادب پروری پر مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کرنا ہے،

علمی حیثیت سے خانخاناں کا درجہ نہایت ہی ممتاز اور بلند تھا، دنیا کی اکثر مروج زبانوں پر مہارت تامہ رکھتا تھا، فارسی اس کی مادری زبان تھی، اس کی فارسی نثر اپنی سادگی، شستگی اور برجستگی کے لحاظ سے اب بھی بہت مقبول ہے، تزک بابری کا فارسی ترجمہ جو اسی کے قلم کا رہین منت ہے، اب تک انشا کے لحاظ سے بے مثل چیز سمجھی جاتی ہے، اور ارباب ذوق اس کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس نے اپنی فارسی شاعری کا ایک دیوان بھی

[1] مآثر الامرا جلد دوم ص ۶۱۷، [2] تفصیل کے لئے دیکھو مآثر الامرا حصہ دوم ص ۶۹۴،

مرتب کیا تھا، مگر وہ اب مفقود ہے، مآثر رحیمی میں جس کو خانخاناں کی زندگی میں عبد الباقی نہاوندی نے لکھا ہے، کثرت سے نمونے درج ہیں،

خانخاناں کی سخن سنجی اس کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ مشہور ہمعصر شعرا نظیری، عرفی، شکیبی اور انیسی کے مقابلہ میں غزلیں کہتا اور سب میں ممتاز رہتا تھا، ایک بار طرح تھی، چند است پند است، فرزند است، تمام شعرائے اکبری نے اس زمین پر اپنا اپنا اشہب قلم دوڑایا مگر میدان خانخاناں کے ہاتھ رہا، نظیری نے بھی اس طرح پر ایک غزل لکھی تھی، خانخاناں اور نظیری کی غزلوں کو موازنہ کرتے ہوئے مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ

"صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے، کہ خانخاناں کے کلام میں جو صفائی، شستگی، دلآویزی اور سوز و گداز ہے، نظیری کی غزل اس سے بالکل خالی ہے"[1]

خانخاناں عربی میں بھی اعلیٰ لیاقت رکھتا تھا، نہایت دقیق، مغلق اور مشکل عربی کے معنی کو نہایت آسانی سے بیان کر دیتا تھا، ایک بار شریف مکہ نے اکبر کو خط لکھا، عبارت اس قدر مشکل تھی کہ ابو الفضل اور فتح اللہ شیرازی کو مفہوم سمجھنے کے لئے لغت کی ضرورت ہوئی، خانخاناں نے اسے فوراً لیا، خط کی عبارت پڑھتا اور برجستہ ترجمہ کرتا جاتا تھا، جس کی داد تمام اہل دربار نے دی،

ترکی خانخاناں کی مادری زبان سمجھنا چاہئے، اس زبان میں اس کی لیاقت مسلم الثبوت تھی، ہندی زبان کا پر گو شاعر تھا اور سب سے زیادہ اسی زبان میں شاعری کی، لیکن افسوس ہے کہ اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا ہے، مآثر رحیمی میں ہے،

"در زبان ہندی ید بیضا نمودہ اند، چنداں اشعار متین و ابیات دلنشین کہ ایشاں در آں زبان دارند ہیچ یک از فحول شعرائے آں زبان را نیست، و دست از ثبت

[1] شعر العجم جلد سوم ص ۸، [2] مآثر رحیمی، جلد دوم ص ۵۵۶،

نمودن آنہا باز داشتہ باشعاری کہ بزبان فارسی فرمودہ اند اکتفا نمود و تحمل انعام

واحسانی کہ بشعرائے فارسی زبان نمودہ دہ برابر آں بہندی زبانان نمودہ باشند، وچنداں

اشعار کہ آں جامعہ در مدح ایشاں گفتہ اند فارسی گویاں عشر عشیر نگفتہ اند"[۱]

یہی مصنف ایک جگہ لکھتا ہے کہ اکبر کو سلاطین یورپ سے برابر مراسلت کرنی ہوتی تھی، اس لئے خانخاناں کو یوروپین زبان سیکھنے کا حکم دیا جس کو اس نے سیکھا، مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کن کن زبانوں سے اس نے واقفیت حاصل کی تھی، بہرحال وہ بہت سی زبانوں پر مہارت رکھتا تھا، مآثر الامرا میں ہے :۔

"خانخاناں در قابلیت واستعداد یکتائے روزگار بود، واو عربی و فارسی و ترکی و ہندی رواں داشت، شعر خوب می فہمید و می گفت، رحیم تخلص می کرد، گویند کہ باکثر زبانہا کہ در عالم رائج است حرف می زد"[۲]

خانخاناں نے اپنے علمی ذوق کے نشو ونما کے لئے ایک بے نظیر کتبخانہ قائم کیا تھا جہاں زمانہ کے مشہور شعراء نے اپنے دیوان خود لکھکر داخل کئے تھے، دربار اکبری کے اکثر باکمال اسی دار الحکمت کے تربیت یافتہ تھے، عرفی، شکیبی، حیاتی، ظہوری، ملک قمی، نظیری، محتشم کاشی، رسمی، نوعی شیرازی وغیرہ جیسے بلند پایہ شعراء اسکی زرپاشیوں سے ہمیشہ فیضیاب ہوا کرتے تھے، اس کی علم پروری، اور فیاضی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ نوعی شیرازی کو سونے میں تلوا دیا،[۳] نظیری نے ایک بار کہا کہ اس نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر نہیں دیکھا ہے، خانخاناں نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر جمع کرکے دکھایا پھر وہ ڈھیر اس کے گھر بھجوا دیا،[۴]

---

[۱] مآثر رحیمی جلد دوم ص ۵۶۲ [۲] مآثر الامرا جلد دوم ص ۶۰۹،

[۳] خزانہ عامرہ تذکرہ نوعی [۴] مآثر الامرا حصہ دوم ص ۶۰۹،

ان ارباب کمال میں ملا عبدالقادر بدایونی کا درجہ علمی حیثیت سے کم ممتاز نہیں تھا، ملا صاحب سنہ ۹۸۱ھ میں شاہی دربار میں ملازم ہوئے،[۱] عربی، فارسی، سنسکرت، تفسیر اور تاریخ کے جلیل القدر عالم تھے، اس لئے تصنیف، تالیف اور ترجمے کے کام پر مامور ہوئے، علاوہ تنخواہ کے وقتاً فوقتاً انعامات واکرامات سے مالامال ہوتے رہے، آواز بڑی شیریں اور دلکش پائی تھی اس لئے شروع میں شاہی امام بھی مقرر ہوئے، ان کے مختلف تراجم اور تاریخ الفی کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان کے علاوہ اور بھی تالیفات ہیں، نجات الرشید[۲] کتاب الاحادیث[۳] اور منتخب التواریخ،

ملا صاحب کی تمام تصانیف میں منتخب التواریخ نے بڑی شہرت حاصل کی ہے، یہ تین حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصہ میں اکبر کے قبل سلاطین ہند کے کوائف ہیں، دوسرے میں اکبر کے حالات ہیں، تیسرے میں علماء، فقراء اور شعراء کا ذکر ہے، الیٹ صاحب اس تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

"یہ ان چند کتابوں میں ہے جن کا ترجمہ بہت مفید ثابت ہوگا، لیکن اس کے لئے فارسی زبان میں کافی مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اور ساتھ ہی ساتھ ہمعصر تاریخوں سے کامل واقفیت بھی چاہیے کیونکہ مصنف نہ صرف نامانوس الفاظ استعمال کرتا ہے، بلکہ مذہبی مناظرے، تعریف وتوصیف، ہجو وذم، ذاتی اور خاندانی تاریخوں کی تفصیلات تو اس طرح بیان کرنے لگتا ہے کہ واقعات کا تسلسل قائم نہیں رہتا، اور پھر سلسلۂ تاریخ قائم کرنے میں کافی دقت ہوتی ہے، لیکن ہمیں اس کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہی غیر متعلقات اس کی تصنیف کے دلچسپ حصے ہیں، بہت کم ایسے واقعہ نگار ہیں جو بدایونی کی طرح اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، خصوصاً جو شاہی کانوں کو ناگوار ہوں یا جو اپنی غلطیوں اور لغزشوں کو

---

[۱] بدایونی جلد دوم ص ۱۷۲ [۲] بدایونی جلد دوم ص ۲۰۸، اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ میں موجود ہے، [۳] بدایونی جلد اول ص ۶،

اس وضاحت اور بے توجہی کے ساتھ آشکارا کر دیتے ہوں[1]،

محمد حسین آزاد جو ملا صاحب سے خوش اس لئے نہیں نظر آتے ہیں کہ وہ ان کے ممدوحین کو اچھے الفاظ سے نہیں یاد کرتے ہیں، اس کتاب کی سب سے "بڑی خوبی" یہ بتائی ہے کہ ملا صاحب نے اس تاریخ میں غیر کی یا اپنی کوئی بات چھپائی نہیں[2]،

اس کتاب کی صاف گوئی اور حق پسندی کے سبب جہانگیر نے اپنے زمانہ میں اس کی اشاعت بند کر دی تھی، بات یہ تھی کہ ملا صاحب بڑے راسخ العقیدہ مسلمان تھے، جس بات کو خلاف شرع و مذہب سمجھ لیتے تھے، پھر اس کے دیکھنے کے روادار نہ تھے، اکبر کے مذہبی خیالات کو نہایت شرح و بسط سے بیان کیا ہے، اور جو لوگ اکبر کے خیالات میں ان تبدیلیوں کے باعث ہوئے تھے ان کو کاذب، ملحد، کافر، ملعون، بے دین، زندیق، بدبخت کے الفاظ سے یاد کرتے، اور ان تمام خیالات کو اسلام کی اہانت اور مسلمانوں کی مذلت بلکہ جان و مال کے نقصانات کا سبب قرار دیتے ہیں، اسی لئے فیضی اور ابو الفضل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں، مگر باوجود ان کے سخت عقائد کے ان کے علمی تبحر کو سب تسلیم کرتے تھے، عظیم الشان علمی کاموں کے لئے شاہی دربار سے ہمیشہ ملک الشعراء فیضی یا علامہ ابو الفضل یا ملا عبد القادر منتخب کئے جاتے تھے، اکثر تینوں یا ملا صاحب ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملکر علمی کارنامے انجام دیتے تھے، فیضی ملا صاحب کی قابلیت کا بہت معترف تھا، کچھ دنوں اکبر نے ملا صاحب کی طرف سے بے التفاتی کو راہ دی تھی، اس پر فیضی نے بارگاہ شاہی میں ایک عریضہ لکھا، جس میں اکبر سے خطا پوشی اور عطا پاشی کی درخواست کی، پہلے ملا عبد القادر کی لیاقت و قابلیت کا ذکر اس طرح کرتا ہے،

"شکستہ نواز، ملا عبد القادر اہلیت تمام دارد و علوم رسمی آنچہ ملایانِ ہندوستان

---

[1] ایشٹ جلد پنجم ص ۴۸۳ [2] دربار اکبری ص ۴۴۴،

می خوانند خواندہ پیش خدمت ابوی کسب فضیلت کردہ و قریب بسی و ہفت سال میشود کہ بندہ او را می دانم و بافضیلت علمی طبع نظم و سلیقہ انشاے عربی و فارسی و چیزے از نجوم ہندی و حساب یاد داشت در ہمہ وادی و وقوف در نغمۂ ولایت و ہندی و خبرے از شطرنج صغیر و کبیر دارد و مشق بین بقدری کردہ باوجود بہرہ مند بودن ازیں ہمہ فضائل بہ بے طمعی و قناعت و کم تردد نمودن و راستی و درستی و ادب و نامرادی و شکستگی و گذشتگی و بے تعینی و ترک اکثر رسوم تقلید و درستی اخلاص و عقیدت بدرگاہ بادشاہی موصوف است"

پھر اس کی سفارش ان الفاظ میں کرتا ہے:

"چوں درگاہ راستان است دریں وقت کہ بے طاقتی زور آوردہ بندہ خود را حاضر پایۂ سریر والا دانستہ احوال او بعرض رسانید اگر دریں وقت بجرحق نمی رسانید نوعی از ناراستی و بے حقیقتی بود حق سبحانہ بندہاے درگاہ را در سایہ فلک پایۂ حضرت بادشاہ بر راہ راستی و حق گذاری و حقیقت شناسی قدم ثابت کرامت فرماید و آں حضرت را بر کل عالم و عالمیان سایہ گستر و شکستہ پرور و عطا پاش و خطا پوش بہزاران ہزار دولت و اقبال و عظمت و جلال دیرگاہ داراد بعزت پاکان درگاہ الٰہی و روشن دلان سحر خیز صبح گاہی آمین آمین"[1]

بعد کے اہل قلم نے بھی ملا صاحب کی تعریف بجا طور پر کی ہے، بختاور خاں عالمگیری مراۃ العالم میں لکھتا ہے،

"ملا عبد القادر بدایونی جامع معقول و منقول بود و با فضیلت علمی طبع نظم و سلیقہ

---

[1] بدایونی جلد سوم ص ۳۰۴،

انشائے عربی و فارسی و نجوم و حساب و وقوف در نغمہ ولایتی و ہندی بمرتبہ کمال داشت و قادری تخلص بود۔"

علم و ہنر کے آسمان کے ایک دوسرے درخشندہ ستارہ خواجہ نظام الدین احمد تھے، خواجہ صاحب دربار اکبری کے پنجہزاری امرا میں تھے جو اس عہد کا معراج دولت تھا[1]، گجرات میں بخشی کے عہدہ پر مامور تھے، صاحبِ ثروت و عزت ہونے کے ساتھ صاحبِ قلم بھی تھے، سنہ ۱۰۰۲ھ میں طبقات اکبری لکھی جس نے ان کو حیاتِ جاوداں بخشی، یہ کتاب ہندوستان کی اسلامی عہد کی بہت ہی جامع تاریخ ہے، مصنف نے اپنے معلومات ان تمام مستند تاریخوں سے حاصل کئے ہیں، جو اس وقت ممکن صورت سے دستیاب ہو سکتی تھیں، کتاب کے آغاز میں اپنے ماخذوں کے جو نام گنائے ہیں ان کی تعداد تیس ہے اسی لئے یہ کتاب ہمیشہ مستند تاریخوں میں شمار کی گئی ہے، ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی تاریخ منتخب التواریخ اسی کی مدد سے تیار کی، تاریخ سلاطین افغانان کے مصنف نے تو بعض بعض حصے خصوصاً ہمایوں کے حالات لفظ بہ لفظ اسی سے نقل کر لئے ہیں، فرشتہ نے اس کو ایک مکمل تاریخ بتایا ہے، اور اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، مآثر الامرا میں ہے،

"و چوں جزرسی و وقت در تنقیح اخبار و سعی تمام بفراہم آوردن مواد بکار بردہ و شمل میر معصوم بھکری وغیرہ اہل کمال و ساز تالیف آں بودہ اند، اعتبار تمام دارد و آں اول تاریخے است کہ احوال جمیع اسلام سواد اعظم ہندوستان را (کہ ساحان بسیط غبرا چار دانگ روے زمین گفتہ اند) جامع است و ماخذ صاحب تاریخ فرشتہ و تبعان او (کہ مع شے زائد نگاشتہ اند) ہمیں نسخہ مرغوب است[2]"

منتخب اللباب حصہ اول میں ہے،

[1] منتخب اللباب خافی خان، جلد اول صـ ۲۳۶ [2] مآثر الامرا جلد اول صـ ۶۶۳

"نظام الدین ہروی کہ در جرگہ بخشیان محمد اکبر بادشاہ در آمدہ بود تاریخی مشتمل بر ذکر تعداد سلاطین ہست و یک صوبہ دکن تالیف نمودہ مسمی بتاریخ نظامی ساختہ، دراں تا سنہ سی و ہفت بذکر محمد اکبر پرداختہ، اکثر در ذکر سلاطین دکن کلام او محل اعتماد را نشاید، و سوائے قول محمد قاسم فرشتہ ہیچ مورخے بذکر سلاطین دکن نپرداختہ کہ در صحت کلام اعتبار داشتہ باشد اما چوں نظام الدین عمر در رکاب و بندگی محمد اکبر بادشاہ صرف نمودہ قول او در ذکر سوانح سلطنت عرش آشیانی اعتبار تمام دارد[1]"

یوروپین مورخوں میں یہ کتاب بہت مقبول ہے، ارسکن کا خیال ہے کہ اس زمانہ کا بہترین مورخ نظام الدین تھا، کرنل لیس کو افسوس ہے کہ اس کتاب کو اتنی مقبولیت نہیں ہوئی جتنی کہ چاہئے تھی، الیٹ لکھتا ہے کہ یہ ہندوستان کی بہت ہی مشہور کتاب ہے جو جدید طرز پر لکھی گئی،[2] خواجہ نظام الدین کا جب انتقال ہوا تو ملا عبد القادر بدایونی نے اس طرح ماتم کیا جو ان کی مقبولیت کی دلیل ہے،

"او بزحمت تپ محرقہ در سن چہل و پنج سالگی از عالم بیوفا در گذشت، و جز نام نیک با خود نبرد و خیلے از احباب و اصحاب کہ از حسن اخلاق دیدہ امیدوار یہا داشتند خصوصاً ایں حقیر کہ جہت یگانگی دینی و اخلاص مبرا از اغراض دنیاوی با و داشت، اشک حسرت از دیدہ ریختہ و سنگ نومیدی بر سینہ زدہ عاقبت جز صبر و شکیبائی کہ شیوۂ اصفیا و شیمۂ اتقیا است چارہ نہ دیدند و ایں واقعہ را اعظم مصائب و نوائب دانستہ عبرت کلی ازاں گرفتہ دیگر دم محبت با افراد انسانی نزدم و زاویۂ خمول لازم گرفتم[3]"

بدایونی نے وفات کی تاریخ کہی،

[1] خافی خان حصہ اول صـ ۲۳۶ [2] الیٹ جلد پنجم صـ ۱۷۷، [3] بدایونی جلد دوم صـ ۳۹۷،

گوہرے بہا ز دنیا رفت [۱]

ناظرین کی تشنگی باقی رہجائے گی اگر اس سلسلہ میں ہم میر فتح اللہ شیرازی، مولانا عبد اللہ سلطانپوری اور شیخ عبد النبی صدر الصدور کا ذکر نہ کرینگے، میر فتح اللہ شیرازی حکمت، ہیئت، ہندسہ، نجوم، رمل، حساب، حدیث، تفسیر اور کلام کے ماہر تھے، ان کی قابلیت کے لحاظ سے اکبر نے انہیں عضد الملکی کے خطاب سے سرفراز کیا، ان کی تصنیفات، حالات کشمیر، خلاصۃ المنہج، منہج الصادقین، اور زیج جدید ہیں، ۹۹۷ھ میں وفات پائی، "فرشتہ بود" سے وفات کی تاریخ نکلتی ہے [۲]،

مولانا عبد اللہ سلطانپوری فقہ اور تاریخ کے زبردست عالم تھے، مخدوم الملک اور شیخ الاسلام کے خطاب سے سرفراز کئے گئے، تنزیہ الانبار اور شمائل نبوی ان کی عالمانہ تصنیفات ہیں [۳]،

شیخ عبد النبی صدر الصدور نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ جا کر علم حدیث کی تعلیم حاصل کی، وہاں سے آئے تو اکبر نے انہیں صدر الصدور کے عہدہ پر مامور کیا، اکبر کو ان سے جو عقیدت تھی اس کا پتہ بدایونی کے ان الفاظ سے چلتا ہے،

بادشاہ از غایت تعظیم و احترام گاہ گاہے بجہت استماع علم حدیث بخانہ شیخ می رفتند و یک دو
مرتبہ کفش پیش پاے او ہم ماندند [۴]

ان کی ایک تالیف وظائف النبی صلعم کا قلمی نسخہ دار المصنفین (اعظم گڈھ) میں ہے،

ان مندرجہ بالا اہل کمال کے علاوہ بہت سے دیگر علماء و فضلا تھے جو مختلف قسم کے علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اور دربار اکبری سے بسلسلۂ ملازمت یا اور کسی باعث منسلک رہتے تھے، مثلاً حاجی سلطان تھانیسری، خواجہ حسن ہروی، امیر میر تقی شریفی، ملا سید سمرقندی، ملا صادق حلوائی، مرزا مفلس، بدخشی، حافظ تاشکندی، قاضی جلال الدین ہندی، حاجی ابراہیم سرہندی، ملا تیری سیالکوٹی، مولانا شاہ محمد شاہ آبادی،

[۱] بدایونی جلد دوم ۳۱۵ [۲] ایضاً جلد سوم ۱۵۵ [۳] ایضاً ۷۳ [۴] بدایونی جلد دوم ۲۰۴،

شیخ عبد الحق دہلوی، قاضی نور اللہ شوستری، سید شاہ میر سامانہ، حکیم الملک گیلانی، حکیم ابو الفتح گیلانی وغیرہ [۱]

یہ فہرست یہیں پر ختم نہیں ہوجاتی، اگر اس کے ساتھ اکبری عہد کے شعراء کے نام بھی گنائے جائیں تو ناظرین صرف نام پڑھتے پڑھتے گھبرا جائینگے، ملا بدایونی نے اس عہد کے ۱۶۷ شعراء کے حالات لکھے ہیں اور ان کے کلام کے نمونے درج کئے ہیں، جن اکبری شعرا کی فہرست ابو الفضل نے آئین اکبری میں دی ہے وہ ۵۹ ہیں، یہ وہ شعراء ہیں جنھوں نے دربار میں پہنچکر تقرب حاصل کیا، بات یہ تھی کہ اکبر کی فیاضیاں اور زرپاشیاں سنکر ہر جگہ سے شعراء ہندوستان میں امنڈ آئے تھے، اکبر نہ صرف ان پر زر و دولت کی بارش کرتا، بلکہ ان کی ہمت افزائی اور قدر دانی کے لئے ملک الشعرا کا خاص عہدہ قائم کیا، جس پر سب سے پہلے غزالی مشہدی، پھر فیضی مامور ہوئے، علاوہ غزالی، فیضی، اور خانخاناں کے مندرجۂ ذیل شعرا نہایت ممتاز تھے حکیم سنائی، عرفی، نظیری نیشاپوری، قاسم کاہی، شکیبی صفاہانی، محوی ہمدانی، رفیعی، کاشانی، سنجر کاشی، زعی مشہدی، بابا طالب اصفہانی، سرمدی اصفہانی، قاسم ارسلان مشہدی وغیرہ،

اکبر کو ہندوؤں کے علوم و فنون سے جو شغف تھا وہ ظاہر ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ ہندی شاعری میں طبع آزمائی بھی کرتا تھا، اور رائے تخلص رکھتا تھا، ہندو علما و فضلا کی ایک کثیر جماعت دربار کے علم و فن کے دائرہ میں شامل تھی، ابو الفضل نے "ثنا سائے عقلی کلام" اور "دانش اندوزان جاوید دولت" کے عنوان سے جن ہندو فضلا کے نام گنائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

نارائن، مادھو بھٹ، سری بھٹ، بشن ناتھ، رام کشن، بلبھدر مصر، باسدیو مصر، بامن بھٹ، بدیا نواس، گوری ناتھ، گوپی ناتھ، کشن پنڈت، بھٹاچارج، بھاگیرت بھٹاچارج، کاشی ناتھ بھٹاچارج، مہادیو، بھیم ناتھ، نرائن، سیو جی [۲]،

کتب خانہ اکبر کے علمی ذوق کے سبب جو کتب خانہ قائم ہوا، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے عدیل تھا،

[۱] ان کے حالات منتخب التواریخ، بدایونی، جلد سوم میں ملیں گے، [۲] آئین اکبری،

قلعہ آگرہ میں ثمن برج کے بغل میں جو لمبا کمرہ ہے، وہیں شاہی کتب خانہ تھا، ہمایوں کے کتب خانہ کی جتنی کتابیں تھیں وہ وراثت میں ملیں، اس کے علاوہ مختلف مقامات اور اشخاص سے وقتاً فوقتاً دستیاب ہوتی رہیں، اہل قلم جو کتابیں لکھتے ان کا ایک نسخہ خزانہ عامرہ میں ضرور بھیجتے، اکبر کے درباری مصنفوں کی تصنیفات، تالیفات، اور تراجم خود کثرت سے تھے، ان کے کئی کئی نسخے شاہی کتب خانہ میں رہتے، اکبر کو فتوحات کے سلسلہ میں جتنی کتابیں دستیاب ہوتیں ان کو خزانہ عامرہ میں داخل کر لیتا تھا، فتح گجرات کے زمانہ میں اعتماد خان گجراتی سے بہت سی نفیس اور نادر کتابیں حاصل ہوئیں، ان میں سے بعض تو شاہی کتب خانہ میں داخل کر لی گئیں اور بعض اہل ذوق کو دیدی گئیں،

ملا عبد القادر بدایونی کو اس تقسیم میں انوار المشکوٰۃ کا نسخہ ملا[1]، فیضی کے انتقال کے بعد اس کی تمام کتابیں شاہی کتب خانہ میں منتقل کر دی گئیں، کتابوں کی کل تعداد ۴۶۰۰ تھی جو اکثر مصنفوں کے ہاتھ سے یا ان کے عہد کی لکھی ہوئی تھیں، ان کتابوں کا مجموعہ تین حصوں میں منقسم تھا، پہلے میں نظم، طب، نجوم اور موسیقی کی کتابیں تھیں، دوسرے میں حکمت، تصوف، ہیئت، ہندسہ کی تھیں، تیسرے میں تفسیر، حدیث، اور فقہ کی تھیں[2]،

اکبر خاص طور سے بعض کتابوں کو مصور کراتا تھا، ان میں تصویریں اور تشبیہیں بنواتا تھا، مرقعے تیار کراتا تھا، اور کتابوں کی لوح پر طلاکاری کا کام بنواتا تھا، قصہ امیر حمزہ کی بارہ جلدیں اس کی فرمائش سے مصور کی گئی تھیں، اور اس میں "استادانِ سحر پرداز" نے ۱۴۰۰ تصویریں بنائیں، اسی طرح چنگیز نامہ، ظفر نامہ، اقبال نامہ، رزم نامہ (مہابھارت) راماین، نل دمن، کلیلہ دمنہ اور عیار دانش نقش و نگار سے آراستہ ہوئیں[3]،

یہاں پر بے محل نہ ہوگا اگر دربار اکبری کے ان خطاطوں اور خوشنویسوں کا تذکرہ کیا جائے

۱؎ بدایونی جلد دوم ص ۲۰۶ ۲؎ بدایونی جلد دوم ص ۳۰۵ ۳؎ آئین اکبری ص ۷۷،

جنھوں نے شاہی کتب خانہ کی زینت اپنے کمالِ فن سے بڑھائی اور جن کی قدردانی اکبر نے جاگیر، منصب، اور خطابات دے کر کی،

(۱) ملا محمد حسین کشمیری، نستعلیق کے استاد تھے، اکبر نے زریں رقم کا خطاب دیا تھا، ابو الفضل ان کو جادو رقم لکھتا ہے[1]،

(۲) خواجہ عبد الصمد شیریں رقم، خواجہ نظام الملک وزیر شاہ شجاع شیرازی کے بیٹے تھے، ہمایوں کے دربار میں خوشنویس تھے، نستعلیق کے استاد اور مصور تھے، اپنے فن کی مہارت کے لحاظ سے شیریں قلم کہلاتے تھے، اکبر کے عہد میں چہار صدی منصب عطا ہوا، اور فتح پور سیکری کے ٹکسال کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے، خشخاش کے دانے پر سورہ اخلاص لکھی تھی[2]،

(۳) میر معصوم قندھاری اکبری دور کے مشہور خطاط ہیں، فتح پور سیکری کی اکثر عمارات پر ان کے کتبے کندہ ہیں،

(۴) حسین بن احمد چشتی، یہ بھی اس دور کے عربی کے باکمال خطاط تھے، فتح پور سیکری کے بلند دروازے کے پیش طاق کی محراب کے اوپر ابھرے ہوئے حروف میں جو عربی کتبہ ہے وہ انھی کے کمال کا نمونہ ہے،

خط نستعلیق کے دوسرے باکمال اساتذہ مولانا میر علی ہروی، مولانا جعفر تبریزی، مولانا اظہر، مولانا محمد اوبہی، مولانا سلطان علی مشہدی، میر حسین کلنگی، مولانا عبد الرحیم، میر عبد اللہ نظامی وغیرہ تھے، خط تعلیق کے ماہروں میں مولانا عبد الحئی، منشی ابو سعید مرزا، مولانا ابراہیم استرابادی، منشی محمد جلال الدین قزوینی وغیرہ تھے، اکبر کا میر منشی اشرف خاں اس خط کے لکھنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا[3]،

ان خوشنویسوں کے علاوہ بہت سے ایسے خطاط تھے جو دوسرے رسم الخط مثلاً ثلث، توقیع،

۱؎ آئین اکبری ص ۷۶، و تذکرہ خوشنویساں ص ۹۶، ۲؎ ایضاً ص ۷۷، و مآثر الامراء جلد دوم ۳؎ آئین اکبری ص ۷۵،

محقق، نسخ، ریحان، رقاع، اور غبار کے لکھنے میں بہت مشاق تھے، (دیکھو آئین اکبری ۱۳۸)

مدارس اکبر نے تعلیم کی نشر و اشاعت کے لئے متعدد مدارس قائم کئے، آگرہ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں تعلیم و تعلم کے لئے چلپی بیگ نام ایک عالم کو شیراز سے بلایا، (اکبر نامہ دفتر اول) فتحپور سیکری میں پہاڑی کے اوپر ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا جس کے مقابلہ میں کوئی سیاح کسی دوسرے مدرسہ کا نام نہیں بتا سکتا تھا،[1] ان تعلیم گاہوں کے علاوہ بہت سے ایسے مدارس تھے جن کو امراء اور اشخاص نے قائم کئے (مثلاً ماہم بیگم کا مدرسہ دہلی میں جو خیر المنازل کے نام سے موسوم تھا، ابو الفضل کا مدرسہ جو فتح پور سیکری میں واقع تھا، پھر عبدالرحیم خانخاناں کے مختلف مدارس) ان کے ماسوا بہت سے معلمین اور علما، اپنے اپنے مقامات پر علوم و فنون کی ترقی اور افراد قوم کی تعلیم و تربیت میں مصروف تھے، اوران کی اعانت شاہی دربار سے برابر ہوتی رہتی تھی، تاریخ بدایونی میں ان مدرسین کی تفصیلات درج ہیں، ہم طوالت کے خیال سے نظر انداز کرتے ہیں،

مگر جو چیز اس سلسلہ میں قابل غور ہے وہ یہ ہو کہ اکبر نے بچوں کی تعلیم کے لئے بعض ایسے طریقے ایجاد کئے تھے جو آج ابتدائی تعلیم کے جدید طریقوں کے بالکل مشابہ تھے، فارسی حروف بچوں سے ذہن نشین کرانا آسان نہیں، خصوصاً ہندو بچوں کے لئے اور دشواریاں تھیں، کیونکہ ان کی تمام تحریریں بائیں سے داہنے جانب لکھی جاتی تھیں، چنانچہ حرف آموزی کے طریقہ کو سہل بنانے کے لئے اکبر نے ہدایت دی کہ اولاً استاد بچوں کو مفرد حروف پہچنوائے، پھر اعراب اور مرکب حروف پھر چھوٹے چھوٹے جملے، اس کے بعد اشعار اور طویل عبارت، یہ طریقہ تعلیم کامیاب ثابت ہوا اور لڑکے جو برسوں میں سیکھتے وہ چند مہینوں میں حاصل کر لیتے، آئین اکبری کی عبارت ہے:-

«نفرمودہ گیتی خداوند حروف ابتث (ا ب ت ث) را بر نویسند و دیگر گون پیکر را

[1] آئین اکبری، ذکر دار الخلافہ صوبہ آگرہ،

بدانسان نگارند، نخست بصورت و نام آشنا گردند و دو روز بیش نکشد کہ از نقوش حروف پیوستہ آگہی برگیرد، و چوں ہفتہ بدیں دریافت تنومندی یابد و لختی نظم و نثر آشنا رود در نیایش ایزدی واندرز گذاری جدا انگاشتہ در آموزند، و کوشش رود کہ ہر یک را خود بشناسند واندکے استاد دستگیری کند و چندے ہر روز یک مصرع یا یک بیت بانجام رساند، در کمتر زمانے سواد خوانی روشنی پذیرد، و آموزگار ہر روز از پنج چیز آگہی برجوید شناسائی حروف الفاظ، مصرع، بیت، پیشین خواندہ بدیں روش انچہ بسالہا آموختی باہ بل بروز کشید و جہانی بشگفت درآمد،[1]

ابو الفضل نے ان مختلف علوم و فنون کی فہرست بھی دی ہے، جو اس زمانہ میں پڑھائے جاتے تھے اور وہ حسب ذیل ہیں، اخلاق، حساب، سیاق، فلاحت، مساحت، ہندسہ، نجوم، رمل، تدبیر منزل، سیاست: مدن، طب، منطق، طبیعی، ریاضی، الٰہی، تاریخ، بیاکرن، بیدانت، پاتنجل، یہ گویا اعلیٰ تعلیم کا نصاب تھا،[2]

[1] آئین اکبری ص ۱۶۳، [2] آئین اکبری ص ۱۶۲،

کتبخانۂ دفتر دیوانی حیدرآباد دکن

از جناب محمد غوث صاحب ایم اے عثمانیہ، حیدرآباد دکن،

حیدرآباد کے سرکاری اداروں میں سے دفتر دیوانی نے ایک خاص اہمیت حاصل کرلی ہے، یوں تو عطائے معاش اور جاگیر کے ایک تصدیق کنندہ دفتر کی حیثیت میں ایک عرصہ سے یہ دفتر قائم تھا، لیکن گذشتہ پندرہ سال سے یہ حقیقت واضح ہونے لگی ہے کہ نہ صرف تاریخ سلطنت آصفیہ بلکہ خود زمانۂ مغلیہ کی عام ہندوستانی تاریخ کے بہت سارے تاریک پہلوؤں پر اصلی سرکاری کاغذات سے روشنی ڈالنے کے لئے دفتر دیوانی کے مخزونہ ذخائر کو بڑی اہمیت حاصل ہے،

اعلیحضرت بندگانِ عالی نواب میر عثمان علی خاں دام ظلہ العالی کے ترقی پرور دور میں جہاں اور دوسرے سرکاری سررشتے ترقی اور تجدد کے مراتب علی التسلسل طے کرنے لگے وہاں دفتر دیوانی کا قالب بھی نیا ہوگیا،

سرکار عالی کا یہ عندیہ ہے کہ سارے قدیم دفاتر، دفتر دیوانی میں ضم کر دیئے جائیں، چنانچہ دفتر مال، ملکی، استیفاء، مناصب، خطابات اور مواہیر ایک جا ہو چکے ہیں،

ان دفاتر کی یکجائی کے بعد جب ان کو عصری نقطہ ہائے نظر سے مہذب اور مرتب کرنے کی نوبت آئی تو یہ امر صاف طور سے محسوس ہونے لگا کہ ان دفاتر قدیم کے کاغذات کے تاریخی پہلو کو نمایاں کرنے، ان کاغذات کو مسلمہ تاریخی معیار پر جانچنے، اور ان کو تاریخی نقطۂ نظر سے ترتیب دینے میں ایک کتب خانہ کی ضرورت ناگزیر ہے،

اس نقطۂ نظر سے تقریباً چھ سال ہوئے کہ کتب خانہ دفتر دیوانی کی بنیاد رکھی گئی، اس قلیل

عرصہ میں جو ذخیرہ فراہم ہوگیا ہے وہ ہر ادارہ کے لئے امتیاز کا موجب ہو سکتا ہے، ان مستند اور تاریخی لحاظ سے بہت ہی اہم کتابوں کی فراہمی کی وجہ سے یہ علمی جواہر پارے تلف ہو جانے سے نہ صرف محفوظ ہوگئے بلکہ ان سے باغراض علمی ہر طرح کا استفادہ ہر صاحبِ ذوق کے لئے بالکلیہ آسان ہوگیا،

دفتر دیوانی کا کتب خانہ اپنے نہایت وسیع معنی میں کوئی ایسا عام کتب خانہ نہیں ہے جہاں ہر علم و فن کی کتابیں جمع کی جاتی ہوں، یہاں صرف ایسی کتابیں فراہم ہو رہی ہیں جن سے کسی ہندوستانی تاریخی مبحث پر قابلِ استناد معلومات حاصل ہو سکیں، جو کتابیں جمع کیجاتی ہیں، ان کی نوعیت پانچ قسموں پر مشتمل ہے،

۱- وہ کتابیں جو تاریخ دکن اور تاریخ ہند سے متعلق ہوں،

۲- حوالہ کی کتابیں،

۳- ایسی کتابیں جو قدیم کاغذات اور کتابوں کی اصلاح اور درستگی، تہذیب، ترتیب اور تبویب کے فن سے متعلق ہوں،

۴- قوانین اور ضوابط سرکارِ آصفیہ،

۵- مطبوعاتِ سرکاری،

ان میں سے ہر ایک کے متعلق قدرے توضیح ضروری معلوم ہوتی ہے،

۱- تاریخ کی کتابیں،

تاریخ کا لفظ اپنے نہایت وسیع معنی میں استعمال کیا گیا ہے، سوانح اور تذکرہ کے علاوہ سفرنامے نیز انشا و مکاتیب اور بعض ادب کی کتابیں بھی اس لحاظ سے کہ تاریخ کا اصلی اور کارآمد مواد غیر تاریخ کی کتابوں سے فراہم ہوتا ہے، اس ذیل میں آجاتی ہیں، اسی طرح

جغرافیہ کی کتابیں بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کی جاسکتیں،

دفتر دیوانی میں تاریخ کی کتابیں بالعموم صرف ہندوستان ہی کے متعلق فراہم کی گئی ہیں، لیکن ہندوستان سے باہر کے بعض ممالک کی بعض کتبِ تاریخ کو بھی حاصل کیا گیا ہے۔

کیونکہ اس تاریخی حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ تاریخ ہندوستان کے اسلامی عہد میں جو علمی سوسائٹی ہندوستان اور دکن میں نشو و نما پا رہی تھی، اس کا اصلی سرچشمہ ہندوستان سے باہر وسط ایشیا اور ایران میں واقع تھا اور نیز ہندوستان و دکن کی معاشرت میں جو تبدیلی ہو رہی تھی اور جو سیاسی انقلاب واقع ہو چکا تھا ان پر بھی ہندوستان کے باہر کے واقعات بہت گہرا اثر ڈال رہے تھے، قطب شاہی اور عادل شاہی وغیرہ زمانہ کی تاریخ کے اکثر پہلو، خواہ وہ مذہبی ہوں یا علمی، معاشرتی ہوں یا سیاسی، ہندوستان سے باہر کی تاریخ سے مربوط ہیں،

علاوہ ازیں خود شاہانِ آصفیہ کے اجداد کا مولد و منشا بھی وسط ایشیا ہی ہے، اس لئے اس سلسلہ کے حالات کا علم بعض وقت ایسی کتابوں سے حاصل ہوتا ہے، جن کو ہندوستان سے بظاہر کوئی تعلق نہیں ہوتا، حضرت آصف جاہ اول کے بعض اہم حالات، ایران کی معاصرانہ تاریخ کی کتابوں میں زیادہ وثوق اور بلا کسی خاص مخالف یا موافق نقطۂ نظر کے معلوم ہو سکتے ہیں،

ان وجوہ کے لحاظ سے بعض اہم اور مستند کتابیں، جن کا موضوع ہندوستان سے باہر کے حالات اور واقعات ہوں، کتب خانہ میں مہیا کی گئی ہیں،

اسی طرح مشرق میں بادشاہ کی ذات واقعاتِ تاریخی کا محور ہوتی تھی، وہی تاریخ بناتی اور بگاڑتی تھی، اس نظر سے ادب و انشا کی کوئی کتاب جس سے بادشاہ کی شخصیت اور اس کے خصائل و عادات اور مبلغ علم کا کافی طور سے اندازہ ہو سکے فراہم کی گئی ہیں،

۲۔ حوالہ کی کتابیں،

دفترِ دیوانی کے کام کی جو نوعیت ہے، اس کے مدنظر حوالہ کی قابلِ استناد کتابوں سے کوئی مفر نہیں ہو سکتا، بنابریں فارسی الفاظ اور اصطلاحات کو معین کرنے میں جو قابلِ وثوق کتابیں کار آمد ہو سکتی ہیں، ان کو حاصل کر لیا گیا ہے، اس سلسلہ میں جس نوعیت کی کتابیں جمع کی گئی ہیں وہ یہ ہیں،

(الف) عربی لغات کی بعض عام متداول اور قابلِ سند کتابیں جن سے فارسی زبان میں رائج شدہ عربی الفاظ اور اصطلاحات کے سمجھنے میں سہولت ہو،

(ب) ایسی کتابیں جن سے فارسی الفاظ و اصطلاحات کے انگریزی مترادفات معلوم ہو سکیں،

(ج) قانون اور نظم و نسق کے اصطلاحات کی کتابیں،

(د) السنہ ملکی کے مصطلحات کی کتابیں،

(ہ) مشہور کتب خانوں کی فہرستیں،

(و) جنتریاں،

(ز) مشاہیر کے متعلق سوانحی حوالہ کی کتابیں،

(۳) فنی کتابیں،

اس ضمن میں فہرست نگاری، کتب خانہ کی ترتیب، کاغذات کی اصلاح و درستی کے متعلق چند منتخب کتابیں موجود ہیں،

۴۔ قوانین و ضوابط سرکار عالی،

دفتر میں حالیہ اور قدیم قوانین و قواعد سرکار عالی کے تحت جو کارروائیاں دائر ہوتی ہیں ان کے سلسلہ میں جن قوانین و قواعد کی بالعموم ضرورت داعی ہوتی ہے، وہ بھی جمع کر لی گئی ہیں،

۵۔ مطبوعاتِ سرکاری،

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ دفاتر و محاکم سرکاری کی جانب سے جو مطبوعات شائع ہوتی رہتی ہیں وہ اپنی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد سلطنت کی تاریخ کا بہت اہم اور قابلِ وثوق ماخذ قرار پاتی ہیں، اس لحاظ سے سرکاری مطبوعات کی فراہمی میں بطور خاص کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ جدید وقدیم مطبوعات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فراہم ہوگیا ہے،

اس موقع پر اس واقعہ کا اظہار بے محل نہیں کہ خود دفاتر متعلقہ میں دس پانچ سال قبل کی مطبوعات کا کوئی زاید نسخہ بہ مشکل ہی دستیاب ہوتا ہے، کتب خانہ آصفیہ وغیرہ کے ذخیرہ میں بھی تمام سرکاری مطبوعات موجود نہیں ہیں، "حیدرآباد آفیرس" اور "حیدرآباد انڈر سر سالار جنگ" جیسی کارآمد کتابیں اب نایاب اور فی الجملہ ناپید ہو چکی ہیں،

اس امر کا اظہار نامناسب نہیں کہ ممالک محروسۂ سرکار عالی کے سارے مطبوعات کو کسی کتب خانہ میں بغرض تحفظ جمع کرنے کا کوئی انتظام اب تک نہیں کیا گیا ہے، نیز ایسی کتابیں جو سرکار یا اربابِ کرم کی امداد و سرپرستی سے بیرون ممالک محروسۂ سرکار عالی طبع یا شائع ہوئی ہیں، یا جو شاہانِ آصفیہ کے اسم گرامی پر معنون ہوں کسی نہ کسی جگہ بغرض تحفظ مخزون رہنا باغراض علمی و تاریخی بہت ضروری ہے، دفتر دیوانی اس نوعیت کا ذخیرہ فراہم کرنے میں غالباً عمارت کی تنگی کی وجہ سے مجبور رہے،

کتب خانہ زیر تذکرہ میں جو کتابیں مہیا کی گئی ہیں وہ مخطوطات اور مطبوعات دونوں پر مشتمل ہیں،

مخطوطات فراہم کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہر رطب و یابس کتاب حاصل کر لیجائے، جو مخطوطات خریدے گئے ہیں، ان کو دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ایسے ہیں جو

۱- مستند ہیں،

۲- تاحال طبع نہیں ہوئی ہیں،

۳- خود مؤلف نے کتاب کی تبییض کی ہے،

۴- خود مولف نے کتاب کی تصحیح کی ہے،

۵- کتاب پر مشاہیر کے مہر یا دستخط ہیں،

کسی کتاب کے ایک سے زیادہ نسخے فراہم کئے گئے ہیں تو وہ بھی اس اطمینان کے بعد کہ ان میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ایسی ہے کہ جو طلبہ اور ارباب علم کے لئے کارآمد ہو سکیگی،

بعض مطبوعہ کتابوں کے بھی مخطوطات فراہم ہو گئے ہیں، لیکن بالعموم اس صورت میں کہ مطبوعہ نسخہ کی فراہمی بوجہ امتداد زمانہ مشکل ہو یا مطبوعہ نسخہ کے مقابل مخطوطہ نسخہ میں مطالب کا اضافہ ہو،

کتب خانہ کا جو اصلی مقصد ہے وہ صرف مخطوطات کے فراہم کرنے سے پورا نہیں ہو سکتا، آج سے نصف صدی قبل ہندوستان اور یورپ میں تاریخ ہند کے موضوع پر جو کتابیں طبع اور شائع ہوئی ہیں، ان کا حاصل ہونا اب بہت کچھ دقت طلب ہو گیا ہے، اس قسم کی کتابوں کا حصول اب خود کسی اہم مخطوطہ کے حصول سے کم مشکل نہیں ہے، کتب خانہ میں اس نوعیت کی کتابوں کی فراہمی کے لئے بھی خاص کوشش عمل میں آئی ہے، مختلف علمی اداروں کی جانب سے تصحیح و تحشی کے بعد جو خاص کتابیں شائع ہوتی ہیں ان کو فراہم کیا گیا ہے تاکہ دفتر میں جو اربابِ علم اور طلبۂ تاریخ تحت قواعد منظورہ سرکار عالی تحقیق و تالیف کی غرض سے فراہمی مواد کی خاطر رجوع کریں، ان کو کاغذات سے استفادہ کرنے میں کسی طرح دقت نہ پیش آئے،

کتب خانہ دو حصوں پر مشتمل ہے، مشرقی اور مغربی،

مشرقی حصہ عربی، فارسی، اردو اور مرہٹی السنہ کی کتابوں پر مشتمل ہے، اور مغربی

حصہ فی الحال خالص انگریزی زبان کی کتابوں پر،

مخطوطات کی فراہمی تین طرح سے ہوتی ہے،

۱- وہ جو براہِ راست خریدی جاتی ہیں،

۲- وہ جو دفتر میں نقل کرائی جاتی ہیں،

۳- وہ جو بیرون دفتر نقل کرائی جاتی ہیں،

واضح ہو کہ فراہمیِ کتب کے سلسلہ کا آغاز ہوا، تو یہ تجربہ ہوا کہ اکثر اہم کتابوں کو ان کے مالک فروخت کرنا نہیں چاہتے، اس لئے بعض ایسی کتابیں مستعار حاصل کر کے خود دفتر میں نقل کرائی جاتی ہیں، بعض وقت بیرون دفتر بھی نقل وکتابت کا انتظام عمل میں لانا پڑا ہے، مدراس سے اربابِ خاندانِ دیوان صاحب کی معرفت بہت سی کتابیں نقل ہو کر آئی ہیں،

کتب خانہ میں مخطوطات کی جملہ تعداد (۴۲۸) ہے، ان کی زبان واری تقسیم یہ ہے،

فارسی، ۳۸۹

ہندوستانی، ۲۶

عربی، ۱۳

بہ لحاظ فنون مخطوطات کی تفصیل حسب ذیل ہے،

تاریخ، ۱۴۷

تذکرہ، ۳۶

سوانح، ۱۴

جغرافیہ ۱۰

سفرنامہ، ۳

ادبیات (نظم) ۱۲

ادبیات (نثر) ۲۳

انشاء و مکاتیب و سیاق، ۱۰۹

نعت، ۱۸

بعض مخطوطات کے متعلق مختصر توضیح نامناسب نہ ہوگی،

۱- **نورس** جگت گرو ابراہیم عادلشاہ ثانی (۹۸۸ھ / ۱۵۸۰ء تا ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء) کی تالیف ہے، اس کتاب کا مقدمہ سہ نثر ظہوری میں نورس کے نام سے شامل ہے، اور رنگین نگاری کا گویا ایک شہ کار،

نورس ابراہیم عادلشاہ کی بعض ہندی نظموں کا مجموعہ ہے،

کتب خانہ کا یہ نسخہ کئی وجوہ سے بہت قابلِ امتیاز ہے،

۱- خط نہایت پاکیزہ ہے اس لحاظ سے اس نسخہ کو خطاطی کا ایک دلکش نمونہ کہنا بالکل بجا ہے،

۲- ایک شاہی کاتب عبداللطیف مصطفیٰ نے بخط نسخ پورا نسخہ لکھا ہے،

۳- طلائی نقش ونگار ہر صفحہ پر موجود ہے،

۴- یہ نسخہ خود عادل شاہی کتب خانہ کا ہے،

۵- سب سے بڑھ کر یہ کہ نسخہ پر خود عادلشاہ کے دستخط ہیں،

ترقیمہ میں کتابت کا کوئی سنہ موجود نہیں ہے، لیکن شاہی کتاب خانہ میں داخلہ سنہ ۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۳ء میں واقع ہوا ہے،

۲- **کلیات شاہی**، علی عادلشاہ ثانی (سنہ ۱۰۶۶ھ تا سنہ ۱۰۸۳ھ / ۱۶۵۶ء – ۱۶۷۲ء) نے دکنی زبان میں شعر کہنے کی خاص مشق بہم پہنچائی تھی،

"شاہی" تخلص اختیار کیا تھا، یہ کلیات شاہی کے کلام کا مجموعہ ہے، ہرچند نسخہ کے اختتام پر کتابت کا کوئی سنہ نہیں لکھا ہے اور نہ ناقل نے اپنا نام لکھا ہے، لیکن خط اور کاغذ دونوں سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ نسخہ زمانۂ تالیف سے قریب تر زمانہ میں ہی لکھا گیا ہے، کتاب کا ہر صفحہ مطلا ہے اور بخط نسخ لکھا گیا ہے[۱]،

۳- **فتح المجاہدین**، مؤلف کا نام زین العابدین شوستری ہے، مولف نے اس کتاب میں وہ سب فوجی قواعد جمع کئے ہیں جو میسور میں بہ زمانۂ ٹیپو سلطان نافذ تھے، کتاب کا یہ نسخہ اس وجہ سے بہت قابل قدر ہے کہ اس پر خود ٹیپو سلطان کی تحریر موجود ہے،

۴- **انفع الاخبار**، یہ کتاب محمد امین الحسینی کی تالیف ہے، اکبر کے ۴۱ سنہ جلوس سنہ ۱۰۰۴ھ (۹۶-۱۵۹۵ء) میں وہ ولایت سے ہندوستان آئے اور سپردار خان مرزا محمد صالح تبریزی سے توسل پیدا کیا، سپردار خان زمانۂ جہانگیری میں احمد نگر کے صوبہ دار تھے، کتاب کا موضوع ممالک مشرق اور ہندوستان بزمانۂ مغلیہ کی عام تاریخ ہے، ورود ہندوستان کے بعد سے زمانۂ تالیف (سنہ ۱۰۳۶ھ / ۲۷-۱۶۲۶ء) تک کے حالات ذاتی علم سے لکھے ہیں،

کتب خانہ کا یہ نسخہ خود مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، کتاب کی تالیف سنہ ۱۰۳۶ھ کے اواخر میں ختم ہوئی ہے، اور یہ نسخہ ۹ محرم سنہ ۱۰۳۷ھ (۲۸-۱۶۲۷ء) کو لکھا گیا ہے، ترقیمہ کی عبارت حسب ذیل ہے،

"فرغ من تسوید ہذہ الاوراق فی تاسع المحرم الحرام سنہ ۱۰۳۷ھ، کتبہ العبد الاقل محمد امین الحسینی"

معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے کتاب کا یہ نسخہ اپنے مربی مرزا محمد صالح کے نذر کیا، کتاب کے آخر

[۱] اس کتاب پر جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی کا ایک مضمون معارف کے کسی گذشتہ پرچہ میں شائع ہو چکا ہے،

پر جو متعدد دستخط ہیں ان میں ایک صالح محمد خاں کا بھی ہے

کتاب کا ابتدائی حصہ موجود نہیں ہے البتہ خاندان تیموری کا پورا حال اس حصہ میں محفوظ ہے،

۵- **تاریخ مظفری**، یہ کتاب ہندوستان کے زمانہ شاہان مغلیہ کی سال واری ساوۂ واقعاتی تاریخ ہے، مولف کا نام محمد علی خاں انصاری ہے، اور والد کا نام ہدایت اللہ خاں عزت الدولہ لطف اللہ خاں بہادر، شاہ عالم ثانی کے عہد میں پنج ہزاری ذات کے منصب سے سرفراز تھے، خود مولف داروغگی عدالت فوجداری ترہٹ اور حاجی پور پر مامور تھے،

کتاب امیر تیمور کے زمانہ سے شروع ہوئی اور سنہ ۱۲۲۵ھ تک اکبر شاہ ثانی کے زمانہ پر ختم ہو جاتی ہے، کتاب کا زمانۂ تالیف ۱۲۰۲ھ (۸۸-۱۷۸۷ء) ہے، واقعات مابعد کا اضافہ بعد میں ہوا ہے،

گبن صاحب نے اپنی کتاب فال آف دی مغل امپائر (FALL OF THE MUGHAL EMPIRE) تاریخ مظفری ہی کو اصلی ماخذ قرار دے کر مرتب کی ہے، ہر ہنری الیٹ نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی عام تاریخ پر جو صحیح تر کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں یہ کتاب بھی شامل ہے (تاریخ ہند صفحہ ۳۱۶ جلد ۸)

کتب خانہ میں کتاب کا جو حصہ مخزون ہے وہ خود مؤلف کا مصححہ ہے، سنہ ۱۲۱۸ھ (۴-۱۸۰۳ء) میں یہ تصحیح عمل میں آئی ہے، اور یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد محمد شاہ کے سال سوم جلوس (سنہ ۱۱۳۴ھ / ۱۷۲۱ء) سے شروع ہو کر زمانہ عالمگیر ثانی (سنہ ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء) پر ختم ہوتی ہے، دوسری جلد زمانہ شاہ عالم ثانی (سنہ ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء) سے شروع ہوتی ہے اور اس زمانہ تک مشتمل ہے جب کہ وارن ہسٹنگز کو گورنر جنرل بنا کر ہندوستان روانہ کیا گیا تھا،

۷- **جنگ نامہ**، خلد مکان اورنگزیب کے انتقال پر جو جنگ برادران واقع ہوئی اسکے حالات اس میں نعمت خاں عالی کے ہاتھوں ترتیب دیئے ہوئے ہیں، کتاب کا یہ نسخہ بہادر شاہ کے منشی خاص شنکر ناتھ نے سنہ جلوس بہادر شاہ (سنہ ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء) میں بخط شکستہ وصلیوں پر لکھا ہے، اور

شکستہ خط کو خطاطی کا ایک بہت بہتر نمونہ بنانے کی پوری کوشش کی ہے،

۸- **سفینۃ الاولیا**، شہزادہ داراشکوہ نے یہ کتاب تالیف کی ہے، یہ نسخہ خود شاہزادہ کی زندگی میں خود انہی کے حکم سے ملا شہباز دہلوی نے ۱۰۶۳ھ/۱۶۵۲ء میں خوشخط نستعلیق میں لکھا ہے،

۹- **حدیقۃ السلاطین**، مرزا محمد نظام الدین شیرازی کی تالیف ہے، سلطان عبداللہ قطب شاہ کے حالات قلم بند کئے ہیں، کتاب اس زمانہ کی تالیف ہے،

کتب خانہ کا یہ نسخہ ہلکے نیلے مہین کاغذ پر طلائی جدول کے اندر بہت خوش خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے، صفحہ اول کا عنوان ایرانی نقش نگاری کا بہت خوبصورت نمونہ ہے، کتاب کے صفحہ اول پر حسب ذیل مہر ہے،

"محمد ناصر فدوی بادشاہ غازی شاہ عالم ۱۱۱۹"

ایک اور عبارت حسب ذیل درج ہے،

"داخلہ روزنامچہ کتاب خانہ سرکار مرزا محمد ناصر سلمہ اللہ تعالی الی یوم الاخر تحویل تحویلکہ اندرون محل بتاریخ ۲۱ محرم الحرام سنہ ۱"

یہ نسخہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے سترہویں سال جلوس ۱۰۵۱ھ/۴۲-۱۶۴۱ء پر ختم ہوگیا ہے،

اس کتاب کا کچھ حصہ مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی نے مرتب کر کے طبع اور شائع کیا ہے،

۱۰- **زبدۃ التواریخ**، جمال الدین ابوالقاسم عبداللہ القاشانی کی تالیف ہے،

کتب خانہ میں کتاب کا جو حصہ محفوظ ہے اس کا موضوع تاریخ ممالک مشرق قبل از اسلام ہے،

اس نسخہ پر سید مظفر مرخیل کی مہر ثبت ہے، جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کے مدار المہام تھے، کتاب مہین کاغذ پر خوش خط نسخ میں لکھی گئی ہے،

۱۱- **تزک جہانگیری**، شہنشاہ جہانگیر کی خود نوشتہ سوانح حیات کا یہ خوشخط نسخہ ہے

جو طلائی جدول میں لکھا گیا ہے، صفحہ اول کا عنوان منقش ہے،

نسخہ کے ٹائیٹل پر مختلف عبارتیں مرقوم ہیں اور کئی مہریں ثبت ہیں، پہلی عبارت حسب ذیل ہے،

"اللہ اکبر بتاریخ ۲، ماہ امرداد سنہ ۲۲ بانعام سیف خاں جہانگیر شاہی مرحمت شد"

مآثر الامرا میں سیف خاں کے خطاب سے دو اصحاب کا تذکرہ کیا گیا ہے، ایک وہ جو حصار کے فوجدار تھے، ان کو جہانگیر کے پاس خود زمانہ شاہزادگی میں ہی تقرب حاصل تھا، لیکن انھوں نے ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں انتقال کیا ہے اور سنہ ۲۲ جلوس جہانگیر مطابق ہے ۱۰۳۶ھ/۲۷-۱۶۲۶ء سے، اس لحاظ سے عبارت صدر میں جن سیف خاں کا ذکر آیا ہے، ان کی شخصیت کا علحدہ ہونا لامحالہ ضروری ہے،

دوسرے سیف خاں بھی خود زمانہ جہانگیر میں گجرات کے صوبہ دار تھے، سیف خاں کے خطاب سے ان کو خود جہانگیر نے مخاطب کیا تھا، زمانہ شاہ جہاں میں بہار کے بعد ازاں الہ آباد پھر گجرات اور آخر میں اکبرآباد کی صوبہ داری کا منصب حاصل کیا تھا، ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء میں انھوں نے انتقال کیا،

غرض عبارت مرقومہ کتاب میں سیف خاں کا جو نام درج ہے وہ غالباً یہی سیف خاں ہیں، عبارت کا سیاق وسباق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ خود بادشاہ نے سیف خاں کو یہ کتاب مرحمت کی،

دوسری اور جو عبارتیں کتاب پر مرقوم ہیں وہ یہ ہیں:- (۱) بتاریخ ہشتم ماہ اردی بہشت عرض دیدہ شد،

۲ و ۳- عبارت مذکور شدہ، (۴) اللہ اکبر بتاریخ غرہ شہر ذیقعدہ سنہ یازدہ جلوس مبارک عرض دیدہ شد،

ان عبارتوں میں غالباً سنہ جلوس سے مراد سنہ جلوس شاہ جہاں ہے،

"عرض دیدہ شدہ" سے مراد "جائزہ لیا گیا" ہے،

کتاب پر جو مہریں ثبت ہیں وہ یہ ہیں،

۱- "سیف خان بندہ شاہجہان بادشاہ غازی سنہ ۱۰۳۹"

یہ سیف خان غالباً وہی ہیں، جن کو غالباً کتاب مرحمت ہوئی،

۲۔ "ابوالقاسم اسد خاں مرید شاہجہاں"

مآثر الامرا میں اسد خاں معموری کا جو تذکرہ ہے وہ غالباً یہی ہیں، ابتدا از زمانہ جہانگیر میں یہ صاحب قندھار کی بخشی گری پر مامور تھے پھر گجرات میں اس عہدہ پر مامور ہوئے بعض اور بھی عہدوں پر کام کیا ہے ۱۰۴۱ھ سنہ ۴ جلوس شاہجہاں میں انتقال کیا، (۳۲-۱۶۳۱ء)

۳۔ "زلطف شاہ نور الدین جہانگیر قضا فرمان خطاب بندہ شد . . . افضل خاں ۱۰۲۲"

مغلیہ زمانہ کے امرا میں افضل خاں کا خطاب زمانہ جہانگیر میں دو اصحاب کو عطا ہوا تھا، ایک تو ابوالفضل کے فرزند شیخ عبد الرحمٰن کو اور دوسرے شاہجہانی زمانہ کے وزیر اعظم یا دیوان کل ملا شکر اللہ شیرازی کو، افضل خاں شیخ عبد الرحمٰن کا انتقال جہانگیر کی تخت نشینی کے آٹھویں سال ۱۰۲۲ھ (۱۴-۱۶۱۳ء) میں ہوگیا، توزک جہانگیری میں جہانگیر کے ۱۰ویں سال جلوس تک کے واقعات قلم بند کئے گئے ہیں، اس صورت میں ظاہر ہے کہ افضل خاں شیخ عبد الرحمٰن کو اس کتاب پر کوئی ملکیت حاصل نہیں ہو سکتی، لامحالہ صاحب مہر افضل خاں ملا شکر اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتے،

اس کا ثبوت یوں بھی حاصل ہوتا ہے کہ ملا شکر اللہ کی خطاب یابی کا سنہ بہ لحاظ مہر ۱۰۲۲ھ ہے، مآثر الامرا میں لکھا ہے کہ مہم رانا میں جو خدمات پسندیدہ وقوع میں آئے اس کی وجہ سے ملا صاحب کو افضل خاں کا خطاب بارگاہ جہانگیری سے مرحمت ہوا،[1]

رانائے چتوڑ کی مہم ۱۰۲۲ھ مطابق ۸ سنہ جلوس جہانگیری میں سر کی گئی تھی اور شاہزادہ خرم (شاہجہان) کو اس مہم پر مامور کیا گیا تھا، اس معرکہ میں ملا شکر اللہ شاہزادہ کے منشی اور مصاحب ہمراز تھے، ملا شکر اللہ شیرازی نے دار العلم شیراز میں دانش اندوزی کی اور بعد ازاں درس و تدریس کا شغل جاری رکھا، پھر ہندوستان چلے آئے، برہان پور میں اقامت اختیار کی تا آنکہ شاہجہان سے بزمانۂ شاہزادگی توسل حاصل ہوگیا، میر عدل لشکر شاہزادہ قرار پائے، ۱۰۳۸ھ (۲۹-۱۶۲۸ء) میں "دیوانی کل پر مامور ہوئے"

[1] مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۱۰۲ تہ ایف گتہ ایڈ

"شد فلاطوں وزیر اسکندر" مصرعۂ تاریخ ہے، ۷۰ سال کی عمر میں ۱۰۳۸ھ (۲۹-۱۶۲۸ء) میں انتقال ہوا، "زخوبی بردگوے نیک نامی" سے سال انتقال برآمد ہوتا ہے،[1]

۱۲۔ **تاج المآثر**، ہندوستان کے زمانہ خاندان غلاماں کی تاریخ، نظام الدین حسن نظامی سمرقندی کی تالیف ہے، کتاب کا یہ نسخہ ۱۰۷۱ھ (۶۱-۱۶۶۰ء) میں نہایت ہلکے بادامی کاغذ پر خط صحیح لکھا گیا ہے،

۱۳۔ **منظر الانسان**۔ ترجمہ وفیات الاعیان، اس کتاب کو یوسف بن احمد السنجری نے ابن خلکان کی کتاب وفیات الاعیان سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے،

سلطان ناصر الدین ابو الفتح محمود شاہ بن محمد شاہ گجراتی (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) کے حکم سے ترجمہ کا آغاز ہوا، سلطان نے ۸۸۹ھ میں حکم صادر کیا، ۸۹۳ھ میں کام کا آغاز ہوا، اور ۸۹۴ھ میں ترجمہ مکمل ہوکر بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہوا، ۲۵ دوسری کتابوں سے اس ترجمہ میں مطالب کا اضافہ کیا گیا ہے، ۸۹۵ھ میں نظر ثانی ختم کی گئی،

کتب خانہ کا یہ نسخہ ۱۰۳۱ھ کا مکتوبہ ہے اور کاتب کا نام علی بن حسن الالٰی ہے،

۱۴۔ **دہیہ بدیہی صوبجات دکن**، یہ زمانہ عالمگیر کے مواضعات دکن کی فہرست ہے، پوری تفصیل سے ہر ہر موضع کی تفصیل کی ہے، ہر موضع کے "جمع کامل" (زر مال گذاری) کی وضاحت بھی کی ہے، فہرست کا یہ نسخہ خود شاہی دفتر کا مرتبہ اور مکتوبہ ہے،

۱۵۔ **مجمع الغرائب**، مولف کا نام محمد ہارون عبد السلام سلامی الحنفی ہے، کتاب کا موضوع مختلف عجائب دنیا کے حالات ہیں، ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ کی تالیف ہے، یہ نسخہ خود مؤلف کا لکھا ہوا ہے، ۱۰۲۶ھ (۱۶۱۷ء) سال کتابت ہے نسخہ مطلا اور خوش خط ہے،

کتب خانہ کے مخطوطات کی ایک فن وار بدولی فہرست مرتب ہو چکی ہے،

کتب خانہ میں ہندوستانی زبان کے مخطوطات بھی ہیں جنھیں ایک دوسرے مضمون میں روشناس کیا جا چکا ہے،

[1] مآثر الامرا صفحہ ۱۳۵

تلخیص و تبصرہ

عقل کے خلاف جدید بغاوت

عنوان بالا سے موجودہ صدی کے مشہور جرمن فلسفی رینے فولپ ملر (Rene Fülöp Miller) کا ایک پرمغز اور بصیرت افروز خطبہ پہلی بار ہبرٹ جرنل (جنوری سنہ ۳۶ء) مین شائع ہوا ہے، ناظرین معارف کے لئے ہم اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہین :-

ہم سب کو شروع ہی سے عقل پر عقیدہ رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ انسان عقل کی مدد سے کائنات کی تمام گتھیاں سلجھا سکتا ہے، بالخصوص گذشتہ دو صدیوں میں سیاسی انقلابات و اصلاحات کا سب سے بڑا مقصد یہی رہا ہے، کہ سوسائٹی کی معاشرتی اور سیاسی ترکیب میں جو نامعقول عناصر داخل ہوگئے ہین، انھیں خارج کرکے معقول عناصر ان کی جگہ لائے جائیں، روشن خیالی، حریت پسندی، جمہوریت، اور اشتراکیت، ان تمام تحریکوں مین سے ہر ایک کی بنیاد اس عقیدہ پر قائم تھی، کہ انسانون کے باہمی تعلقات عقل ہی سے استوار رہ سکتے ہین، تمام معاشرتی بے انصافیان اور مصیبتین معقول فہم و ادراک کی کمی سے پیدا ہوتی ہین، اور عقل ہی کے ذریعہ موجودہ معاشرتی اور سیاسی نظام کا ہر نقص دور کیا جا سکتا ہے، چند سال ہوئے ہم میں سے اکثر لوگون کو ایسا نظر آتا تھا، کہ بہت جلد ساری دنیا میں عالمگیر وفاق (فیڈریشن) معاش کے مرتب اصولوں، بین الاقوامی ثالثی عدالتون، اور معاشرتی عدل و انصاف کی سلطنت قائم ہو جائے گی، انسان کی ایک نہایت ہی دیرینہ آرزو ہماری آنکھون کے سامنے پوری ہونے والی

تھی، ہزارون برس سے اس تمنا کا اظہار ہر بڑے تمدن میں ہوتا آیا تھا، اسکے پورا ہونے کا وقت اب قریب معلوم ہوتا تھا،

عقل پر عقیدہ اپانشد میں بھی پایا جاتا ہے، جو چھٹی صدی قبل مسیح سے پہلے کی کتاب ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ ودیا یعنی عقلی بصیرت میا یعنی فریب کی دنیا پر غالب ہوگی، علاوہ برین یونانی فلسفہ نے بھی جس کی تعلیمات سے یورپ کا ذہنی نشوونما شروع ہوا، عقلیت کی فتح کا اعلان کیا، ہراکلیٹس (Heraclitus) نے تو یہان تک کہہ دیا، کہ فضا تمامتر عقل سے پر ہے، اور انسان برابر عقل ہی کی سانس لے رہا ہے، ایلیائی فلاسفہ (۵۰۰ قبل مسیح) اس بات پر زور دیتے تھے، کہ ہمیں ہر چیز کا فیصلہ عقل کی رو سے کرنا چاہئے، سقراط نے یہ تعلیم دی کہ انسان کو منطقی طور پر غور و فکر کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے، اسکے نزدیک انسان کی زندگی کا مقصد واقفیت حاصل کرنا ہے، اُسے چاہئے کہ اپنے پورے وجود کو عقل کا تابع کر دے،

قدیم یونانی اور رومن فلسفہ کی عقلیت کی بنا پر سیاسی نظامون کو عقل کی روشنی مین مرتب کرنے کی بارہا کوششین ہوئین، یونانی جمہوریہ کی بنیاد ہی عقل پر رکھی گئی، اور افلاطون کی ترتیب دی ہوئی جمہوریہ میں اسی عقلیت کا عکس صاف طور پر نظر آتا ہے، پھر روما کی طرف دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم عقلیت کا سب سے زیادہ شاندار اور دیرپا حاصل رومن قانون ہے، جو اسوقت بھی ایک بڑی حد تک تمام دنیا کے قانونون پر حاوی ہے،

زندگی کے تمام پہلوؤن کو عقل کے تابع کر دینے کا جو کام زمانۂ قدیم میں شروع کیا گیا تھا، اسے مغربی تہذیب نے عہد روشن خیالی (Enlightenment) میں از سر نو جاری کر دیا، مونٹسکیو (Montesquieu) ڈیڈیرو (Didero) اور والٹیر (Voltaire) جیسے لوگون نے اپنی زندگی کا مقصد یہ بنا لیا، کہ کائنات کے تاریک ترین گوشون کو بھی عقل کی روشنی

سے منور کردیں، روشنخیالی کے علمبردار کائنات کو ایک عظیم الشان منظم کارخانہ سمجھتے تھے، جس کے قوانین عقل کی قوت سے دریافت کئے جاسکتے ہیں، ان کا خیال تھا کہ جس وقت انسان اُن قوانین کو متعین کرے گا، جو فطرت اور انسانی زندگی کے مختلف اعمال (Processes) میں جاری ہیں، اسی وقت اس کے لئے ان اعمال میں دخل دینا، اور اپنی مرضی کے مطابق ان میں تصرف کرنا ممکن ہوجائیگا، روشنخیالی کے ان ایام سے لیکر ہمارے زمانہ تک عقلیت کو مسلسل فتوحات حاصل ہوتی گئیں، سائنس نے فطرت کے بے شمار معمے حل کرکے رکھ دیئے، انسان کو فطرت کی قوتوں پر روز بروز بیش از بیش قدرت حاصل ہوتی گئی، اور یہ ترقیاں پچھلی نسلوں کی بڑی سے بڑی آرزوؤں سے بھی متجاوز ہوگئیں، عقل پر انسان کا عقیدہ اس درجہ راسخ ہوگیا، کہ اب اُسے عقل کی ہمہ گیری میں کوئی شبہہ باقی نہ رہا،

یہ تھی یورپ کی ذہنی حالت اب سے نصف پشت قبل تک لیکن اس درمیان میں ہمارے خیالات کے اندر ایک تبدیلی واقع ہوگئی ہے، آج عقل کے خلاف عام طور پر بغاوت برپا ہے، جو چیز ہمارے لئے سب سے بڑے فخر کی تھی، وہی آج مردود قرار دی جاتی ہے، عقل کی پرستش کرنے کے بجائے لوگ ہر اُس شے کی تعظیم و تکریم کرنے لگے ہیں جو نامعقول اور مخالفِ عقل ہے، خاندان، قوت، نسل، قوم، آج یہی الفاظ ہر شخص کی زبان پر ہیں، ہم سے کہا جاتا ہے کہ جدید معاشرتی اور سیاسی نظاموں کی تعمیر انہی باتوں کے لحاظ سے ہونی چاہئے، ایسی حکومتیں قائم ہوگئی ہیں، جن کا مقصد کسی عقلی نصب العین کیلئے کوشش کرنا نہیں ہے، وہ جذبات اور ان قوائے محرکہ پر اپنا عقیدہ رکھتی ہیں، جو حال تک بالاتفاق تعصبات اور مغالطات میں شمار کی جاتی تھیں،

پہلا شخص جس نے عقل کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا فرانس کا باشندہ جارج سورل (G. Sorel) تھا، وہ فاسزم (Fascism) کا معلم اول ہے، اُسی نے قوت کی بادشاہی کا اعلان کیا، اور اس بات پر زور دیا کہ جن قوی اثرات سے نوعِ انسانی کی تحریکیں متاثر

ہوتی ہیں، ان کو عقل یا خلافِ عقل رحم یا ظلم سے کوئی تعلق نہیں، اس کے نزدیک تاریخ ایک حرکی عمل (Dynamic process) ہے، جس میں عقل کے لئے کوئی جگہ نہیں، ایسا عمل جس کے مقابلہ میں وہ تمام کوششیں جو انسان کا چھوٹا سا دماغ دنیا میں نظم قائم کرنے کیلئے کرسکتا ہے، بالکل حقیر و ناچیز ہیں، تقریباً اسی زمانہ اور اسی معنی میں فریڈرک نٹشے (FRIEDRICH NIETZSCHE) نے بھی قوت کی فرمانروائی تسلیم کرکے عقل کے خلاف فتوی صادر کردیا،

بینیٹو مسولینی (Benito Mussolini) بانی فاسزم اپنے کو علی الاعلان سورل اور نٹشے کا شاگرد بتاتا ہے، اس کا سیاسی اور فلسفیانہ پروگرام بہتیری باتوں میں ان دو مفکرین کی تعلیمات کے مطابق ہے، اُس نے بار بار کہا ہے کہ مجھے روشن خیال عقل کے اصول موضوعہ سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ مستقبل کی اُس سلطنت سے کوئی واسطہ ہے، جو عالمگیر امن کی سلطنت سمجھی جاتی ہے، اُسنے ایک موقع پر یہ بھی کہا ہے:۔ "فرانس نے جو ۱۷۸۹ء میں کیا تھا، اٹلی آج کر رہا ہے، اٹلی دنیا کے سامنے ایک نئے پروگرام کا اعلان کر رہا ہے" فاسستی رد عمل ان تمام چیزوں کو مٹا ڈالنا چاہتا ہے جنھیں انقلابِ فرانس کا بیرس دنیا میں لایا تھا، یعنی روشنخیالی، حریت پسندی، جمہوری حکومت،

جدید جرمنی میں عقل کے خلاف یہ بغاوت اس سے بھی زیادہ تیز ہے، اگر فاسستیوں نے ارادہ (Will) کی فوقیت کا اعلان کیا ہے، تو جرمنی کے قومی اشتراکیون نے بھی اتنے ہی غیر عقلی تخیل یعنی "نسل" کی فوقیت کا اعلان کیا ہے، "نسل" ہی وہ جدید نصب العین ہے، جسے موجودہ جرمنی نے اتحادِ نوعِ انسانی اور عالمگیر اخوت کے ان عقلی نصب العینوں کے مقابلہ میں رکھا ہے، جو ابتک تسلیم کئے جاتے تھے،

غرض آج ہم دیکھتے ہیں کہ عقل پر جس کی فرمانروائی میں ہمارے والدین اپنے کو بالکل محفوظ خیال کرتے تھے، شدت کیساتھ حملہ جاری ہے اور ایسا نظر آتا ہے کہ وہ تمام چیزیں جو ایک صدی یا اس سے زیادہ

مدت سے نوعِ انسانی کا قابلِ فخر کارنامہ سمجھی جاتی تھیں، نیست و نابود ہو کر رہیں گی،

کیا اس کے معنی یہ ہین کہ یورپ کا زوال شروع ہو گیا، اور تہذیب کا ایک پورا دور ختم ہو رہا ہے، یا کیا یہ بھی ان وقتی ہنگاموں میں سے ایک ہنگامہ ہے، جو وقتاً فوقتاً ترقی کی راہ مین حائل ہوتے رہتے ہین، ؟ میرے خیال میں اس مسئلہ کو یون پیش کرنا درست نہیں، یعنی یہ مفروضہ صحیح نہیں، کہ وہ غیر عقلیت جو اسقدر دفعۃً نمودار ہو گئی ہے، اور جس کے معتقدین کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے، کوئی ایسی چیز ہے، جو بنیادی طور پر ہماری تہذیب کے لئے اجنبی اور نامانوس ہے،

ہم جو ایسے زمانہ مین بڑھکر جوان ہوئے ہین، جب عقلیت کا عقیدہ ہر طرف چھایا ہوا تھا، اس بات کو بھول جاتے ہیں، کہ ہمارے روحانی کلچر کے قائم کرنے میں غیر عقلیت نے پچھلے دو ہزار برس میں کتنا اہم حصہ لیا ہے، کیا ہماری یہ مغربی دنیا، جو اس وقت ہمین زوال کے خطرہ میں دکھائی دیتی ہے، قوی غیر عقلی قوتون کے تعاون کے بغیر کبھی عالم وجود میں آسکتی تھی؟ غور کیجئے کہ ہماری تہذیب کی تعمیر میں عیسائیت نے کتنا بڑا حصہ لیا ہے، لیکن عیسائیت تھی کیا، خصوصاً اپنے ابتدائی دور میں، بجز شدید غیر عقلیت کے جو یونان و روما کے عقلی فلسفہ کے سراسر مخالف تھی، ؟ جب کہ مشرک متشککین حق کی تلاش میں سرگردان ہو کر بالآخر یہ سوال کرنے لگے تھے، کہ آیا کہین حق کا وجود ہے بھی یا نہیں، اسوقت ہزارون کی تعداد میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے، جو ایک ایسے عقیدہ کا اعلان کرتے تھے، جو عقل کے دائرہ سے بالکل خارج تھا، وہ حق جو وحی کے ذریعہ نازل ہوا تھا، دلیل سے ثابت نہیں کیا جاسکتا تھا، اس پر عقیدہ رکھنا ہی لازمی تھا، تاہم ہزارون ایسے تھے، جو سرکسوں میں شیرون کے ہاتھون ہلاک ہو جانا کہیں بہتر سمجھتے تھے، بہ نسبت اسکے کہ ایک قطعاً غیر عقلی عقیدہ سے منحرف ہو جائین، عقل کی مخالفت جتنی آج کل ہمارے زمانہ میں دیکھی جا رہی ہے، اس سے کہیں زیادہ سخت پیشوایانِ کلیسا کے بیانات سے ظاہر ہوتی ہے، مثلاً ٹرٹولین (Tertullian)

لکھتا ہے، : "عیسیٰ خدا کے بیٹے مر چکے ہیں، میں اس پر عقیدہ رکھتا ہون، اسلئے کہ یہ ایک احمقانہ اور نامعقول بات ہے، دفن کئے جانے کے بعد وہ پھر جی اُٹھے، اس میں شبہہ نہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے" آمدن تون تک خرافات پر عقیدہ رکھنا کلیسائے رومہ کی خصوصیات میں داخل تھا، جب قرونِ وسطیٰ میں علمائے کلیسا نے بحث و نظر میں منطقیانہ اصولون کو بھی کسی قدر دخل دینا شروع کیا، تو اصلاح (Reformation) کی شکل میں غیر عقلیت کا ایک جدید اور شدید طوفان نمودار ہوا، لوتھر (Luther) عقل کو مذہب سے بالکل خارج کر دینا چاہتا تھا، کالوین (Calvin) جو لوتھر کے بعد اصلاح کا سب سے بڑا علمبردار تھا، ایک ایسے مسلک کی تبلیغ کرتا تھا، جو عقل کے سراسر مخالف تھا، یعنی تقدیر کا مسئلہ جس کی رو سے انسانوں کے دوزخ یا جنت میں جانے کا فیصلہ دنیا کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا ہے، خود کیتھولک کلیسا میں آج تک غیر عقلیت کی فرمانروائی قائم ہے، ۱۸۶۴ء میں پوپ پیس نہم (Pius IX) نے اس عقیدہ کو ایک ملعون بدعت قرار دیا تھا، کہ عقل ہی حق اور باطل کے درمیان تنہا حکم ہے، اور یہ کہ عقل کے ذریعہ تمام حقائق منکشف ہو سکتے ہین، ۱۸۷۰ء میں کلیسا کی جو مجلس رومہ میں منعقد ہوئی تھی، اس میں تمام دنیائے مسیحیت کے آٹھ سو پیشوایانِ مذہب نے شریک ہو کر عقلیت کے خلاف شدومد سے تقریریں کی تھین، مسیحیت کی انہی غیر عقلی بنیادوں کی وجہ سے اٹھارہویں صدی کے فرانسیسی فلسفیوں کا خیال تھا، کہ مذہب ہی عقلیت کا آخری حصار ہے، اور انھیں یقین تھا کہ مسیحیت کے استیصال کے بعد ہی عقل کی حکومت مستقل طور پر قائم ہو جائیگی،

لیکن ان فرانسیسی فلسفیوں کا مذہب کے خلاف معرکہ آرائی میں ناکام رہنا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ غیر عقلیت تمام تر مذہب ہی سے وابستہ نہین بلکہ وہ عموماً انسانی شعور اور انسانی علم کا ایک بنیادی جزو ہے، کیونکہ ہم صرف یہی نہیں دیکھتے کہ عیسائیت اپنے تمام دشمنوں کے مقابلہ مین اور ظالمانہ تعدیون کے

بعد بھی آج بدستور قائم ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ دیکھتے ہین، کہ انیسوین صدی کی ابتدا سے غیر عقلیت سائنسون میں بھی داخل ہوگئی ہے، اور کچھ دنون سے سائنس کے حلقہ میں اسکا اقتدار بڑھتا جارہا ہے،

خود زندگی کے متعلق ہمارے تصور میں ایک بنیادی تبدیلی واقع ہوگئی ہے، آج بہت کم لوگ یہ خیال کرتے ہیں، کہ حیاتیاتی اعمال (Biological processes) عقلی طور پر سمجھ میں آنیوالی میکانیت کا نتیجہ ہین، جدید علم حیاتیات نے اب یہ تسلیم کرلیا ہے کہ فطرت میں ایک غامض تشکیلی قوت کا وجود بھی ہے، جو عقلی تجزیہ سے ماوراء ہے، یہ علم جتنا ہی زیادہ ترقی کرتا جاتا ہے، اتنا ہی زیادہ علماے حیاتیات کے لئے چھوٹے سے چھوٹے پودے کی زندگی کو بھی کسی عقلی ضابطے کے تحت میں لانا غیر ممکن ہوتا جاتا ہے،

جدید تحقیق کی دوسری شاخون میں بھی ایسے ہی مظاہر رونما ہورہے ہیں، پہلے سائنسدانون کا خیال تھا کہ فطرت کا ارتقار قابلِ فہم اور باضابطہ طور پر مسلسل ہوا ہوگا، لیکن آج ہمین معلوم ہے، کہ نوع کی تاریخ حیات مین ایسی غیر متوقع صورتین پیش آتی رہتی ہین، جنکی توجیہ سے ہماری عقل عاجز ہے، اسی طرح ہیئت طبیعیات اور علم کیمیا میں بھی غیر عقلیت دخل پاتی جارہی ہے، ان علوم کے دائرہ مین بھی جہان عقلی اصول و قواعد نہایت مضبوطی کیساتھ قائم نظر آتے تھے، کچھ دنون سے عقل کی فرمانروائی ختم ہوچکی ہے، ہمارے زمانہ کے ممتاز ترین سائنسدان اور محقق ایسے خیالات کا اظہار کرنے لگے ہیں، جو عقل کے خلاف بغاوت کرنے والوں کیلئے نہایت خوش آیند ہین، ان کے نزدیک "قوانینِ فطرت" کا عقیدہ بہت کچھ متزلزل ہوچکا ہے، حتی کہ علیت کا بنیادی قانون بھی اب بالکل محفوظ خیال نہین کیا جاتا، جدید علم فلکی طبیعیات (Astrophysics) نے یہ بات واضح کردی ہے کہ اجرام فلکی ہمیشہ باضابطہ راہون میں حرکت نہیں کرتے، اور یہ کہ کائنات میں مسلسل ایک ناقابلِ فہم تبدیلی واقع ہورہی ہے، اسی بنا پر مشہور برطانوی ماہر طبیعیات اور ہیئت دان سر جیمز جانس (Sir James Jeans) کہتا ہے کہ کائنات ہمیں ایک بڑے میکانیہ (Mechanism) سے کہیں زیادہ ایک بڑا خیال (Thought) نظر آرہی ہے، ہم پھر ایک ایسی روح پر عقیدہ رکھنے کیلئے مجبور

ہورہے ہین، جو تمام ہستی پر حکمران اور حساب و اندازہ کی حدود سے ماوراء ہے،

جسطرح عقل کبھی فضا کے مطالعہ میں جس کا دائرہ غیر محدود طور پر وسیع ہے، ہمارا ساتھ چھوڑ دیتی ہے، اسی طرح چھوٹی سے چھوٹی چیزون کے دائرہ میں بھی وہ ہمارا ساتھ نہیں دیتی، چنانچہ آج یہ حقیقت واضح ہوچکی ہے کہ سالمہ (Molecules) اور جوہر فرد (Atoms) کی دنیا میں وہ قاعدے جو عقل نے تولنے ناپنے اور قوانینِ فطرت کو مرتب کرنے کے لئے بنائے ہین، اکثر منطبق نہین ہوتے، کچھ دنون سے ماہرین سائنس اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، کہ ہم اب تک جس چیز کو قوانینِ فطرت کہتے آئے ہیں، وہ صرف نتیجہ ہین احصار ظنی (Calculus of Probability) کا، اور اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں، پلانک (Planck) کے نظریہ نے سائنس کے اس مسلمہ قانون کو غلط ثابت کر دکھایا ہے، کہ تمام فطری اعمال بغیر کسی بے قاعدگی کے مسلسل جاری رہتے ہین، اس کے نزدیک یہ قانون جوہر فرد کی دنیا میں جاری نہیں، جہان عدم تسلسل کی مثالیں نمایان طور پر نظر آتی ہین، وہ کہتا ہے کہ قدیم سائنس دانون کا خیال تھا، کہ فطرت میں کوئی بے قاعدگی نہیں، لیکن آج ہمارے سامنے یہ سوال ہے کہ آیا فطرت بے قاعدگی کے علاوہ کسی اور طریقہ پر بھی چلتی ہے،

فلسفہ پر سائنس سے بھی پہلے اور زیادہ نمایان طور پر عقلیت کا اثر پڑچکا تھا، لیکن کانٹ (KANT) کی "تنقید عقل خالص" (Critique of Pure Reason) جب شائع ہوئی، تو اُس نے عقل کی فرمانروائی کا خاتمہ کردیا، پھر جکوبی، فخٹے، شیلنگ، اور شوپن ہار کے فلسفیانہ اصول یکے بعد دیگرے سامنے آئے، جنسے معلوم ہوا کہ عقل خیال کی ایک مخصوص روش کا نام ہے، اور یہ کائنات کے مطالعہ نیز اپنے اندر اور گردوپیش کے حالات کو سمجھنے کے لئے عقل کے علاوہ دوسری چیزون کی بھی ضرورت ہے، خود ہمارے زمانہ میں ہنری برگسن (Henri Bergson) اس فلسفہ کا سب سے بڑا نمایندہ ہے، جو عقل کی ہمہ گیری سے انکار کرتا ہے، لڈویگ کلاجز (Ludwig Klages)

اپنی انتہا پسندی میں یہانتک کہہ دیتا ہی کہ عقل روح کی دشمن ہی، فرویڈ (Freud) اور ینگ (Jung) نے دکھایا ہی کہ ہماری ذہنی زندگی مین غیر عقلی اثرات کو کسقدر زیادہ دخل ہی اور کتنی زبردست قوتین لاشعوری طور پر ہمارے ارادون اور کامون پر اثر ڈالتی رہتی ہین،

غرض آج ہم دیکھتے ہیں کہ سائنس اور فلسفہ دونون اس مفروضہ کو ترک کردینے پر مجبور ہوگئے ہین کہ دنیا اور انسانی فکر کے تمام مظاہر عقل کے ذریعہ سمجھے جا سکتے ہین، ہر جگہ ہمکو ایسے مظاہر ملتے ہین جنکی توجیہ سے عقل قاصر ہے، اور جو ہمیں غیر عقلی حقائق کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہین، لہذا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ عقل کے خلاف سیاسی بغاوت کے علمبرداروں کا یہ خیال کہانتک صحیح ہی، کہ تہذیب عقلیت غلط راہ پر چل رہی ہی، اور اس کا تباہ و برباد ہوجانا ایک لازمی امر ہی، ان باغیوں کا خیال ہی کہ عقلیت کا دور اب ہمیشہ کیلئے فنا ہو رہا ہی، اور ہمارے سامنے جبلت اور تخلیقی قوت کے ایک نئے دور کا افتتاح ہو رہا ہی، لیکن تاریخ کے طالب علم کو اس قسم کے دعوون سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ اگر ایک طرف تاریخ و تمدن نے یہ دکھایا ہی، کہ دنیا کی رہنمائی کبھی تمامتر عقل ہی سے نہیں ہوئی تو دوسری طرف اُسنے یہ بھی دکھایا ہی کہ ابھی تک کوئی حقیقی تہذیب وجود میں نہیں آئی، جسمیں عقلی عناصر کی قوی آمیزش نہ رہی ہو،

پھر سوال یہ ہی کہ جدید سائنس کے غیر عقلی رجحانات سے کیا یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہی کہ عقل کو بالکل ترک کردیا جائیگا؟ ہرگز نہیں، جو لوگ جدید غیر عقلیت کے مبلغ ہین، وہ کوئی وہم پرست اور تاریک خیال اشخاص نہیں ہین، بلکہ ماہرین سائنس ہین، فلسفی ہیں، اور محقق ہین، یعنی سب کے سب بنیادی طور پر عقلی ہین، جس چیز کی وہ تعلیم دیتے ہین، وہ یہ نہیں ہی کہ عقلی بصیرت ترک کردی جائے، بلکہ صرف یہ کہ عقل کا دائرۂ عمل محدود سمجھ لیا جائے، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عقل کے خلاف جو بغاوت آج برپا ہی، وہ بالآخر عقلیت اور غیر عقلیت کی باہمی ترکیب سے ایک درمیانی عملی اصول پیدا کردیگی، اس بغاوت سے ہمیں یہ سبق مل جائیگا، کہ عقل ہی سے تمام مسائل حل نہیں ہو سکتے، ہمیں اُن غیر عقلی حقائق کو بھی تسلیم کرنا پڑیگا، جو فطرت اور انسانی فکر و عمل میں یکساں طور پر کارفرما ہین،

"ع ز"

اخبارِ علمیہ

صنعت کا کمال

کچھ دنوں سے ہیئت دانوں کا یہ خیال روز بروز زیادہ قوی ہوتا جاتا ہی کہ کائنات تیزی کیساتھ پھیل رہی ہی، سیارات سرعت کیساتھ ہم سے دور ہوتے جارہے ہیں اور ستاروں کے وہ عظیم الشان نظام جنمیں سے ایک کا ایک فرد ہمارا آفتاب بھی ہے، انکا باہمی فاصلہ مستقل طور پر بڑھتا جارہا ہی، اب تک جو دوربینیں دنیا کے بڑے سے بڑے رصد خانوں میں موجود تھیں، وہ اس پھیلتی ہوئی کائنات کے ایک بہت محدود حصہ کا مطالعہ کرسکتی تھیں لیکن اب کیلیفورنیا (امریکہ) میں پساڈینا (Pasadena) کے رصد خانہ میں جو دوربین نصب کیجارہی ہی، اسکی قوت عہد حاضر کی سب سے قوی دوربین سے بھی جو کیلیفورنیا ہی میں ماونٹ ولسن کے رصد خانہ میں نصب ہی، اور جسکے آئینہ کا دور سو انچ ہی، چوگنا زائد ہوگی، اس نئی دوربین کے قرص کا دور دو سو انچ اور قطر سترہ فٹ ہی، قرص کی دبازت ستائیس انچ اور وزن بیس ٹن ہی، اس زبردست آئینہ کا بنانا ایک حیرت انگیز کارنامہ تھا، اسکے لئے (۲۰۰۰) ڈگری ٹمپریچر کا پگھلا ہوا شیشہ بیس ٹن کی مقدار میں سانچہ میں ڈھالا گیا، لیکن سب سے بڑا مرحلہ اسکو ٹھنڈا کرنے کا تھا، کیونکہ ٹمپریچر کو صرف چند ڈگری کے حساب سے بتدریج کم کرنا تھا، اسی وجہ سے قرص کو تنور سے باہر نکالنے میں تقریباً ایک سال کی مدت صرف ہوگئی، اور اب یہ نیویارک کے کارخانہ سے تیار ہو کر پساڈینا پہنچ گیا ہی، اسکو قلعی کرکے دوربین مین لگانے اور پھر دوربین کو مکمل طور پر نصب کرنے میں ابھی تین سال اور لگ جائین گے، اس عظیم الشان دوربین سے پھیلتی ہوئی کائنات کے متعلق جدید معلومات حاصل ہوسکین گے، یہ ماہتاب اور سیارون کو بہ نسبت پہلے کے ہم سے زیادہ قریب کردیگی، مریخ اور اسکی نام نہاد "نہرون" کے متعلق جو دشواریاں ہیئت دانون کو پیش تھین، ان کا حل بھی بہت کچھ اس سے ہوجائیگا، کیونکہ یہ دوربین مریخ کو اسقدر قریب کردیگی، کہ اسکا مطالعہ تفصیل کیساتھ کیا جاسکے گا، ممکن ہی کہ اس دوربین

کی تحقیق سے وہ نہریں" موجودہ دوربینون کے پیدا کردہ فریب نظر کا نتیجہ ثابت ہون، ابتک ہیئت دانون نے نظام شمسی کے گرد جتنی فضا کی تلاش و تحقیق کی ہے، اس دوربین کی مدد سے اس سے تا تمیں گنی زیادہ وسیع فضا کی تلاش و تحقیق کی جا سکے گی، توقع کیجاتی ہے، کہ اس کے ذریعہ نظر کی رسائی فضا مین (۵۲۰۰) ملین ملین میل تک ہو سکے گی، موجودہ دوربینون سے ابتک (۱۵۰۰) ملین ستارون کی تصویر لیجا سکتی تھی، اب امید ہے کہ یہ دوربین (۵۰۰) ملین ستارون کا اضافہ اور کر دے گی،

ایتھر بحیثیت ایک کامل مخدر کے

نوے سال ہوئے جب مخدرات کے بنانے مین ایتھر اول اول استعمال کیا گیا تھا، اور اسوقت سے ابتک برابر یہ چیز بیہوشی اور بے حسی پیدا کرنے مین استعمال کیجاتی ہے، لیکن مریض اس سے بہت گھبراتے ہین خصوصًا متلی کی وجہ سے جو اسکی بو سے ضرور پیدا ہوتی ہے، ڈاکٹر بھی اسکے بعد کے اثرات کو ناپسند کرتے ہین، عرصہ سے کوشش کیجا رہی تھی کہ اسکے بجائے کوئی دوسرا مخدر ایجاد کیا جائے، چنانچہ گذشتہ مارچ مین کناڈا کے ایک سرجن ڈاکٹر ٹکیپ (Kemp) نے اعلان کیا ہے کہ خود ایتھر ہی ایسا کامل مخدر بن سکتا ہے جسمین کسی قسم کا خطرہ نہ ہو، موصوف کا خیال ہے کہ اب تک جو تصور تھا، وہ ایتھر کا نہ تھا، بلکہ خود ڈاکٹرون کا تھا، انھون نے اپنے عمل مین ذاتی طور پر تجربہ کر کے جس طریقہ کو کامیاب پایا ہے وہ یہ ہے کہ آپریشن سے ایک ہفتہ قبل مریض کو گوشت بالکل ترک کر دینا چاہئے، اور اس کے بجائے غذا مین نشاستہ، شکر، کالسیم اور وٹامین کی مقدار بہت زیادہ کر دینی چاہئے، اسکے علاوہ روز دودھ کی ایک خوراک بھی استعمال کر لینی چاہئے، آپریشن سے پانچ روز قبل سے لیوگول سولیوشن (Lugol's Solution) بھی دیتے رہنا چاہئے، جسمین آیوڈین (Iodine) شامل ہوتی ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ آپریشن سے تین روز پہلے مریض ہسپتال ہی اگر مقیم ہو تاکہ اسکے اندر طبیعی اور ماحولی توازن پیدا ہو جائے" آپریشن کے کمرہ مین لانے سے قبل خواب آور دواؤن کے ذریعہ مریض پر نیم شعوری کی کیفیت طاری کر دینی چاہئے، اس سے اس کا خوف دور ہو جاتا ہے، اور ایتھر کو سونگھنے کا اسے علم بھی نہیں ہوتا،

ایک عجیب مشکل

وبائی امراض سے تحفظ کیلئے سائنس اور طب نے جو تدبیرین اختیار کین اُن سے یہ ضرور ہوا کہ پچھلے پچاس برس مین بہتیری وبائین جو پہلے آبادیون کی آبادیان برباد کر ڈالتی تھین، تقریبًا غائب ہو گئیں، لیکن اس سے ایک نئی مشکل بھی پیدا ہو گئی، تمام دنیا اور خصوصًا امریکہ مین اب لوگون کی عمرین زیادہ ہونے لگی ہین، اور بوڑھون اور جوانون کا قدیم تناسب الٹ گیا ہے، امریکہ مین بوڑھون کی تعداد روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے، دوسری طرف جوانون کی تعداد اپنے بزرگون کے مقابلہ مین کم ہوتی جا رہی ہے، ۱۹۳۰ء کی مردم شماری مین ریاستہائے متحدہ امریکہ مین ایک کروڑ آدمی ساٹھ سال سے زائد عمر کے تھے، خیال ہے کہ ۱۹۶۰ء تک یہ تعداد دوگنی سے زیادہ ہو جائیگی، ان بوڑھون کی موجودگی نوجوانون کی ترقی کی راہ مین ایک بڑا پتھر ہے، اب سے پچاس سال پہلے برطانیہ کا زمیندار یا امریکہ مین تجارت کا مالک عمومًا پچاس سال کی عمر مین مرجاتا تھا، اور اس کا لڑکا یا قریب ترین عزیز پچیس تیس سال کی عمر مین جبکہ اسکی قوت اُور اسکا حوصلہ اپنے شباب پر ہوتا، مرنے والے کا کاروبار اپنے ہاتھ مین لے لیتا، مگر اب وہ انتظار کرتے کرتے تھک جاتا ہے اور اس کا حوصلہ بہت کچھ پست ہو جاتا ہے، امریکہ والے حیران ہین کہ ان بوڑھون کو کیا کرین،

الزام کا جواب

موجودہ زمانہ پر ایک بڑا الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ مین سائنس کی ترقی اور مشینون کی ایجاد کی انسانی زندگی نہایت خطرہ مین پڑ گئی ہے اور غیر طبیعی اموات اور حادثات کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے، امریکہ کی مٹروپولیٹن لائف انشورنس کمپنی (METROPOLITAN LIFE-INSURANCE COMPANY) نے اعداد و شمار فراہم کر کے یہ دکھایا ہے کہ قدیم یونان اور رومہ کے پر امن شہریون مین سے تقریبًا ایک چوتھائی کی موتین غیر طبیعی ہی طور پر واقع ہوئین، اسکے مقابلہ مین موجودہ زمانہ مین جو موتین حادثات سے ہوتی ہین، اور جنمین موٹرون اور مشینون کے حادثات کے علاوہ قتل اور خودکشی کے حادثات بھی شامل ہین، ان کا اوسط صرف ۵، ۹ فی صدی ہے، لہذا یونان اور رومہ کے عہد زرین کے حالات کو دیکھتے ہوئے موجودہ زمانہ پر یہ الزام رکھنا کہان تک درست ہے؟

"ع ز"

مطبوعاتِ جدیدہ

خطبات گارسان دتاسی، مترجمہ وشائع کردہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن، لکھائی چھپائی ٹائپ میں قیمت مجلد ؎ غیر مجلد للعہ، حجم ۴۱۲ صفحات،

فرانسیسی مستشرق، گارسان دتاسی، ہندوستانی زبان کے ان محسنوں میں ہو جس کے احسانات سے یہ زبان کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی، اوسے اسکی خدمت کا احساس اوس زمانہ میں ہوا، جب یہ زبان اپنے دور تکوین سے بھی باہر نہ نکلی تھی، بلکہ اسکی تاریخ ادب ہندوستانی اور اسکے خطبات بر زبان ہندوستانی سے اوس زبان کو علمی زبان کا مرتبہ حاصل کرنے میں مدد ملی، اردو کی تاریخوں میں اسکے خطبات کا تذکرہ سنی سنائی روایتوں سے آیا کرتا تھا یا کسی رسالہ میں کبھی اسکے ایک دو باب کی تلخیص شائع ہوگئی ہمین جناب سر سید راس مسعود کا شکر گذار ہونا چاہئے، کہ موصوف نے نہ صرف اسکے ہندوستانی ترجمہ کی تحریک کی، بلکہ اسکے ابتدائی ابواب کا خود ترجمہ کیا، اور بالآخر یہ قابل قدر کتاب ہندوستانی زبان میں پوری منتقل ہوگئی،

تاسی کے ہندوستانی زبان کے ذوق کی بنا پر پیرس یونیورسٹی میں اس زبان کی پروفیسری کی اسامی قائم کی گئی، اس سلسلہ میں وہ ہندوستانی زبان کی مطبوعات اور اسکی ترقیون پر نظر ڈالتے ہوے ہرسال ایک خطبہ دیتا تھا، یہ انھی خطبات کا مجموعہ ہے، جو ۱۸۵۰ء سے سنہ ۱۸۶۹ء تک ۲۰ سال میں تمام ہوے، اور تاریخ زبان ہند کی معیاری کتابوں میں اسے جگہ حاصل ہوئی، ان خطبات کے بیشتر حصوں کا ترجمہ جناب ڈاکٹر یوسف حسین خانصاحب ڈی لٹ (پیرس) نے کیا ہے، یہ ترجمے رسالہ اردو میں باقساط چھپتے رہے، اور اب مکمل ہو کر ضخیم کتاب کی صورت میں شائع کئے گئے ہیں، خطبات میں جہاں جہاں ضرورتاً

نظر آئے، حواشی میں ان کی تصحیح بھی کی گئی ہو، افسوس کہ یہ کتاب انڈکس سے خالی رکھی گئی جسکی سخت ضرورت تھی، توقع ہو کہ ہندوستانی زبان کے قدردان اس مجموعہ خطبات سے فائدہ اٹھائین گے،

اجنتا کی نقاشی (مع تصاویر) از جناب غلام یزدانی صاحب ایم اے، ایف ای ایس بی، ناظم محکمۂ آثار قدیمہ سرکار عالی قیمت مجلد سے ر غیر مجلد عہ

اجنتا کے غاروں کی نقاشی، ہندوستان کے بدھون کے زمانہ کی مصوری کے نادر نمونون میں سے ہو، انیسوین صدی کے اوائل میں اس کا انکشاف ہوا اسوقت سے یورپ کے ماہرین نے اس پر توجہ کی، پھر سرکار عالی حیدرآباد کے محکمۂ آثار قدیمہ نے اپنی پوری توجہ مبذول کی، اور ان آثار کی حفاظت کے ذرائع اختیار کرنے کے علاوہ ویران وسنسان اجنتا کو آباد و معمور کر دیا، یہ مجموعۂ تصاویر بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس میں محکمۂ آثار قدیمہ سرکار عالی کے ناظم جناب غلام یزدانی نے اجنتا کی تصویرون پر بطور مقدمہ ایک فاضلانہ نظر ڈالی ہے، یہ مقدمہ دراصل موصوف کا ایک تحریری خطبہ تھا، جو اورنگ آباد کالج دکن کے طلبہ کے سامنے نواب سر حیدر نواز جنگ کی صدارت مین پڑھا گیا تھا، تصاویر کی مجموعی تعداد گیارہ ہے، مقدمہ مین اجنتا کی نقاشی پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالتے ہوئے ہر تصویر کے فنی کمالات اور اسکے تاریخی معلومات بیان کئے ہین، اور ان تصویرون سے ہندوستان کے عہد قدیم سے متعلق جو تاریخی نتائج اخذ ہوتے ہین ان کی جانب اشارات کئے ہین، مجموعہ شہر میونخ جرمنی میں بڑے اہتمام سے دبیز آرٹ پیپر پر عکسی طور پر چھپوایا گیا ہو، تصویرین عکسی اور رنگین ہیں، اور حتی الامکان ان مین اجنتا کی نقاشی کی ہو بہو نقل پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہو، اس کتاب سے نہ صرف نادیدہ جماعت کے سامنے اجنتا کی نقاشی کے نمونے آتے ہیں، بلکہ اس مقدمہ سے ایک مبتدی فن مصوری کے سمجھنے میں بھی رہنمائی حاصل کر سکتا ہے، کتاب سرکار عالی حیدرآباد کے مطبوعات کے سلسلہ میں شائع ہوئی ہے، اور غالباً محکمۂ آثار قدیمہ، حیدرآباد دکن کے دفتر سے مل سکتی ہو،

کنز المسائل } خزینۃ الفرائض { از مولوی محمد عبدالمتین صاحب بہاری مدرس مدرسہ عزیزیہ بہار شریف، حجم بہ ترتیب ۹۲ و ۴۸ صفحے قیمت ۶ و ۵ پیسہ۔ پتہ: کتبخانہ تجارتی، محلہ سبزی باغ، بانکی پور، پٹنہ،

پہلے رسالہ کنز المسائل میں نماز، روزہ، زیارتِ قبور اور لباس و طعام وغیرہ کے فقہی مسائل بیان کئے گئے ہیں، اس سلسلہ میں بعض مقامات پر بعض بدعات و توہمات بھی شرعی مسئلہ کے طور پر درج کر دئے گئے ہیں، دوسرے رسالہ خزینۃ الفرائض میں عام مسائل ارث و طریق تقسیم ترکہ وغیرہ عام فہم زبان میں قلمبند کئے گئے ہیں، اور مثالوں سے صورتِ مسئلہ کی تشریح کی گئی ہے،

جذباتِ شاد، از جناب منشی للتا پرشاد صاحب شاد، میرٹھی، دلی پارلے، بمبئی،
حجم ۶۰ صفحے قیمت: ۔/۴

یہ مصنف کی ایک تقریر سیرت ہے، جو اجمیر کے ایک جلسۂ سیرت میں کی گئی تھی، اس میں انھوں نے اخلاص و صداقت کے ساتھ آنحضرت صلعم کی سیرتِ پاک و محاسنِ اخلاق بیان کرتے ہوئے اپنے قابل قدر خیالات ظاہر کئے ہیں، اگرچہ ان کا نقطۂ نظر بعض مقامات پر اصل حقیقت سے مختلف ہے، لیکن ان کے مزید مطالعہ سے ان کا زاویہ نگاہ بدل سکتا ہے، یہ مخلصانہ تقریر اس لائق ہے کہ اس کی خصوصاً غیر مسلم حلقوں میں اشاعت کیجائے،

اسلامی رواداری، ناشر انجمن سیرۃ النبی جبل پور، ۵۰ صفحے، تقطیع چھوٹی،

اسلام نے دوسری قوم کیساتھ رواداری برتنے کے جو احکام دیئے ہیں، انہیں اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے، اور اسلامی تاریخ سے انکی مثالیں دی گئی ہیں، رسالہ انجمن سے مفت ملسکتا ہے،

بچوں کی رباعیاں، از جناب محمود صاحب اسرائیلی حجم ۱۶ صفحے، قیمت: ۔/۱

اس میں سہل و آسان زبان میں بچوں کے لئے رباعیاں لکھی گئی ہیں، "س"